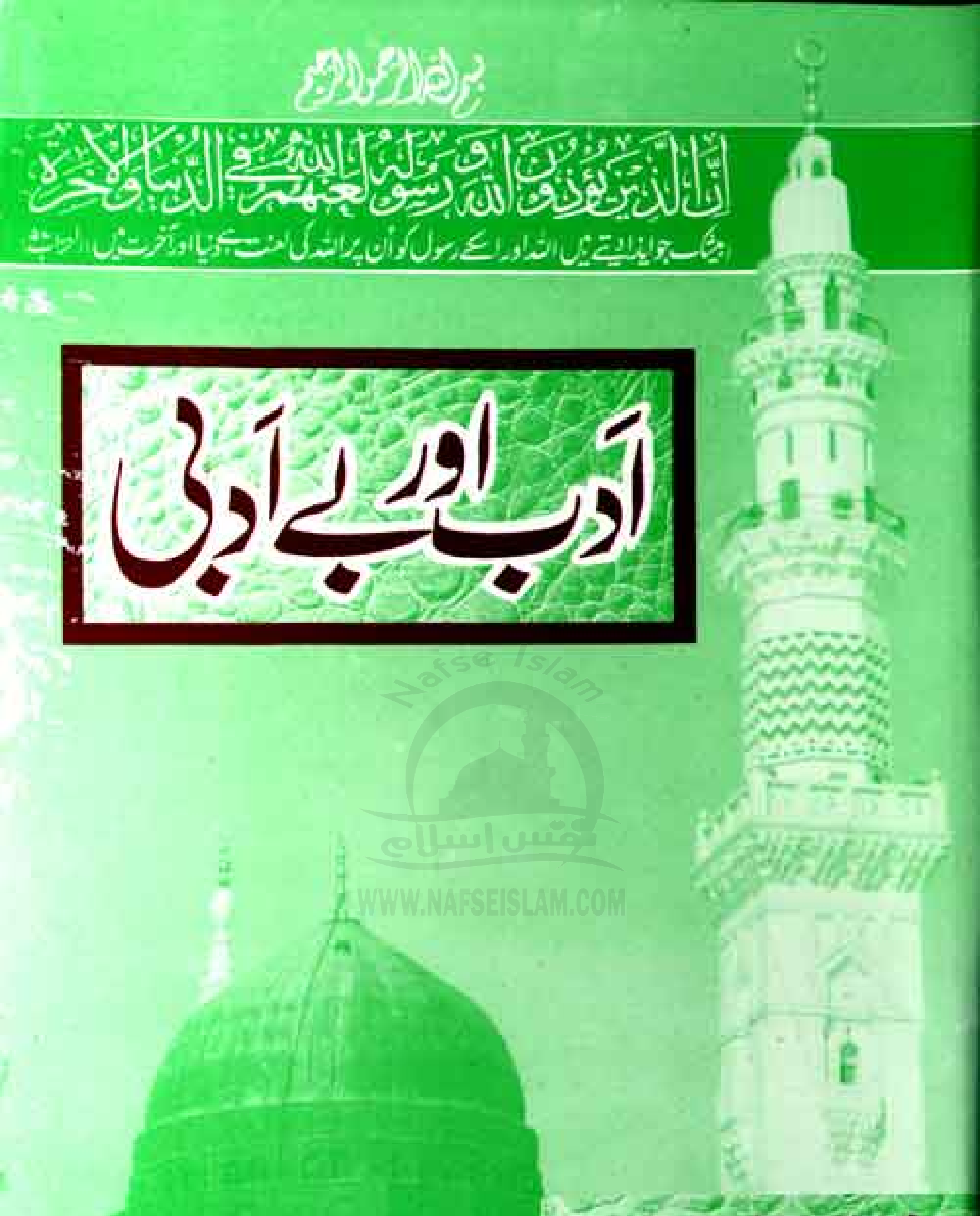


بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

(بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔ الاحزاب)

ادب اور بے ادبی

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ناشر
ادارۂ مسعودیہ
۶/۲، ۵-ای، ناظم آباد، کراچی سندھ
اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۸ء

إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

(بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اسکے رسول کو اُن پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔ (احزاب))

ادب اور بے ادبی

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔ اے ؛ پی۔ ایچ۔ ڈی

اِدارۂ مسعودیہ

۵-ای/۲، ۶، ناظم آباد، کراچی، اسلامی جمہوریہ پاکستان

کتاب	ادب و بے ادبی (نور و نار)
مؤلف	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
طابع	حاجی محمد الیاس
ناشر	ادارۂ مسعودیہ، کراچی
مطبع	شاہکار پریس، کراچی
طباعت	۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸ء
تعداد	گیارہ سو
قیمت	۳۵ روپے

ملنے کے پتے

۱۔ ادارۂ مسعودیہ، ۲ / ۶، ۵۔ ای، ناظم آباد، کراچی

۲۔ المختار پبلی کیشنز، ۲۵۔ جاپان مینشن، ریگل صدر، کراچی

۳۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم۔ اے۔ جناح روڈ، کراچی

۴۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

۵۔ شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور

۶۔ ادارۂ مسعودیہ، ۱۱۔ ملین روڈ، لاہور

اِنتساب

توحید کے اُن پرستاروں کے نام

- جنھوں نے محبت کے چراغ روشن کیے۔
- جنھوں نے اَدب کا سلیقہ سکھایا۔
- جو رمز شناسِ اَدب تھے۔
- جادۂ اَدب سے جن کا نہ خیال بھٹکتا تھا، نہ زبان بہکتی تھی، نہ قدم ڈگمگاتے تھے۔
- جو حریمِ جاناں میں نیچی نگاہوں سے بیٹھے رہتے تھے۔
- حضورِ یار جن کی آواز بلند نہ ہوتی تھی۔
- جو آتے تھے تو اُس کی اِجازت سے، بیٹھتے تھے تو اُس کی اِجازت سے، اُٹھتے تھے تو اُس کی اِجازت سے۔
- جنھوں نے اپنا جان و مال محبوب کے قدموں پر نچھاور کر دیا تھا۔
- جو اَدب کو جانِ ایمان سمجھتے تھے۔
- جو اَدب ہی کے لیے جیتے تھے اور اَدب ہی کے لیے مرتے تھے۔

مسعود

نعت شریف

از

(حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مرشدِ طریقت مولوی رشید احمد گنگوہی)

اچھا ہوں یا بُرا ہوں، غرض جو کچھ بھی ہوں، سو ہوں
پَر ہوں تمہارا، تم میرے مختار یا رسول!

جس دن تم عاصیوں کے شفیع ہو گے پیشِ حق
اُس دِن نہ بھولنا مجھے زِنہار یا رسول!

تم نے بھی گر نہ لی خبر اس حالِ زار کی
اَب جائیے کہاں، بتاؤ، یہ لاچار یا رسول!

دونوں جہاں میں مجھ کو وسیلہ ہے آپ کا
کیا غم گرچہ ہوں میں، بہت خوار، یا رسول!

کیا ڈر ہے اُس کو لشکرِ عصیان و جرم سے
تُم سا شفیع ہو، جِس کا مددگار، یا رسول!

ہو آستانہ آپ کا، اِمداد کی جبیں
اَور اِس سے زیادہ کچھ نہیں، درکار، یا رسول!

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی: گلزارِ معرفت، مطبوعہ بلالی رحمانی پریس
ساڈھورہ، ضلع انبالہ، (طبع قدیم)، ص ۶-۷

فہرس

حرفِ آغاز	۷
آدم و ابلیس	۱۵
آدابِ رسالت	۱۹
توہینِ رسالت	۲۵
تعارف تقویۃ الایمان	۲۸
عبارات تقویۃ الایمان	۳۵
پہلی عبارت	۳۵
دُوسری عبارت	۳۵
تیسری عبارت	۳۶
چوتھی عبارت	۳۶
پانچویں عبارت	۳۹
چھٹی عبارت	۴۱
ساتویں عبارت	۴۳
آٹھویں عبارت	۴۶

نویں عبارت ________ ۴۸

دسویں عبارت ________ ۴۹

گیارھویں عبارت ________ ۵۱

بارھویں عبارت ________ ۵۲

تیرھویں عبارت ________ ۵۳

چودھویں عبارت ________ ۵۹

پندرھویں عبارت ________ ۶۲

سولھویں عبارت ________ ۶۴

تاثرات وتمیزات ________ ۶۶

باسمہٖ تعالیٰ

حرفِ آغاز

عقیدۂ توحید بڑی قوت ہے ــــ بڑی زبردست قوت ــــــ

اس کا پرستار کبھی رُسوا ہو نہیں سکتا ــــ مگر عقیدۂ توحید وُہ نہیں جو ابلیس نے پیش کیا کہ انبیاء و اولیاء سے پیٹھ پھیر کر بس اللہ کی طرف متوجہ ہو جایئے ــــــ وُہ عقیدۂ توحید جو قرآن نے پیش کیا کہ دل میں انبیاء و اولیاء کی محبتیں اور عظمتیں لیتے اللہ کی طرف متوجہ ہو جایئے۔

اقبال نے سچ کہا تھا کہ ہماری بدنصیبی و بدبختی یہ ہے کہ ہمارے جوان اسلاف سے بے تعلق ہو گئے ــــ اس میں شک نہیں کہ انبیاء و اولیاء کی محبتیں قلب مسلم کے لیئے ایک قسم کے لنگر ہیں ــــ یہ لنگر ٹوٹ جائیں تو انسان کہیں کا نہیں رہتا ــــ پھر نہ اللہ کا احترام رہتا ہے ــــ نہ بیت اللہ کا ــــ جب زمین پر کوئی بنیاد ہی نہیں تو عمارت کو زمین بوس ہونا ہے ــــ قرآن سے یہی ثابت ہو رہا ہے ــــ اور قرآن سے بڑھ کر کس کی شہادت ہے؟

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ــــ ابلیس نے اس لنگر کو توڑا، بس اللہ ہی سے رشتہ جوڑا، آدم سے منہ موڑا ــــ اس کا انجام جو کچھ ہونا تھا وُہ ہوا ــــ قوتِ قلب و نظر کے لیئے اللہ کے ساتھ اللہ کے محبوب بندوں سے بھی دل شاد و آباد ہونا چاہیئے ــــ لیکن اب بھی کوششیں ہو رہی ہیں کہ انبیاء و اولیاء سے عشق و محبت کا جو بندھن بندھا ہوا ہے اُس کو توڑ دیا جائے ــــ شکست و ریخت کی اس مہم کا توحیدِ خالص کے نام سے پرچار کیا جا رہا ہے ــــ

بنگلہ دیش کے ایک عالم مولانا محمد عبد الکریم (پرنسپل) نے لکھا کہ وہاں "توحید خالص" کے پردے میں بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے ـــــــ موصوف نے ایک مقالے کی فرمائش کی، مقالہ لکھ کر بنگلہ زبان میں ترجمہ و اشاعت کے لیئے ان کو بھیج دیا گیا ـــــــ احباب کے اصرار پر اب اُس کا اُردو متن قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ جو کچھ لکھا گیا خدمت دین کے جذبے اور ملت اسلامیہ کے درد نے لکھوایا ـــــــ یہ تحریر کسی شخص کے خلاف نہیں بلکہ گستاخیوں کے خلاف ہے ـــــــ نفرت کے خلاف اور محبت کی حمایت میں ایک صدائے درد ہے ـــــــ اس کا اسی جذبے کے تحت مطالعہ کیا جانا چاہیئے ـــــــ بے شک گستاخیوں کے ساتھ ساتھ گستاخوں کا ذکر بھی آیا ہے ـــــــ اس میں میں مجبور تھا ـــــــ گستاخانہ عبارات بار بار چھپ کر شائع کی جا رہی ہیں ـــــــ نہ کی جاتیں تو شاید ذکر کی نوبت نہ آتی اور احتساب کی ضرورت پیش نہ آتی ـــــــ مگر ان عبارات کا زہر افرادِ ملت کے ذہنوں میں سرایت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور وہ غیر شعوری طور پر ایک ایسی سمت جا رہے ہیں جہاں ابلیس نے لے جانے کا عزم مصمم کیا تھا اور قسم کھا کر کہا تھا کہ میں تیرے بندوں کو ضرور بالضرور بھکاؤں گا ـــــــ اس لیئے ضروری سمجھا کہ اس زہر کا تریاق تیار کیا جائے، تاکہ مسموم قلب و نظر بے ادبی و گستاخی کی گھٹن سے نکل کر محبت و ادب کی کھلی فضا میں سانس لے سکیں ـــــــ

پاکستان ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہے ـــــــ مناسب یہ ہے کہ ایک قطعی معیار قائم کر کے اسلامی مذہبی کتابوں کو پرکھ کر کھرا اور کھوٹا الگ کر دیا جائے دورِ جدید میں اچھی کتاب سے زیادہ مفید کوئی شے نہیں اور بری کتاب سے خطرناک کوئی ہتھیار نہیں ـــــــ اس لیئے بڑے پیمانے پر کتابوں کی چھان پھٹک ضروری

ب ـــــ معیار یہ ہونا چاہیے کہ ایسی کتابیں :-

- جن میں اللہ کی شان میں گستاخیاں ہوں۔
- جن میں رسول اللہ کی شان میں گستاخیاں ہوں۔
- جن میں اسلام کی شان میں گستاخیاں ہوں۔
- جن میں اہل بیت اور ازواج مطہرات کی شان میں گستاخیاں ہوں۔
- جن میں صحابہ کی شان میں گستاخیاں ہوں
- جن میں اولیاء اللہ کی شان میں گستاخیاں ہوں۔

ان پر پابندی نہ لگائی جاسکے تو کم ازکم ایسی گستاخانہ عبارات وکلمات کو نکال دیا جائے جو قلب مسلم کے لیے کرب ناک اور تکلیف دہ ہوں ـــــ اصل میں یہ حذف وترمیم کسی فرقے یا جماعت کے خلاف نہ ہوگی بلکہ نفرت و بے ادبی کے خلاف ہوگی اور حقیقت یہ ہے کہ نفرت و بے ادبی کسی رعایت کی مستحق ہی نہیں ـــــ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ یہ فیصلہ کون کرے کہ عبارات گستاخانہ ہیں یا نہیں۔ سو اس کے لیے طریقۂ کار یہ ہونا چاہیے کہ کتاب جس زبان میں ہو اس کے ماہر کے سامنے وہ عبارات پیش کی جائیں اور اس سے دریافت کیا جائے ـــــ یہ اس لیے ضروری ہے کہ بعض گستاخانہ عبارات زبان وادب کے دائرے میں آتی ہیں اور حریم محبت میں زبان کی ادنیٰ لغزش پر بھی سخت گرفت ہوتی ہے ـــــ یہاں دل وزبان دونوں کو قابو میں رکھنا پڑتا ہے ـــــ ذرا زبان بے قابو ہوئی اور ایمان رخصت ہوا ـــــ بے شک ایمان کی سلامتی ادب میں ہے ـــــ ادب کی باتیں عقل نہیں بتا سکتی، یہ باتیں دل بتاتا ہے اس لیے بے ادبی کا حال اہل ادب سے پوچھیے ـــــ اہل زبان سے پوچھیے اور بے ادبی کا مآل اہل شریعت سے پوچھیے ـــــ

اس مقالے کا نام "نور ونار" اس لیے تجویز کیا ہے کہ اس میں "حسن بکر نورانی کا ذکر ہے

جس کے متعلق حق جل مجدہٗ نے اعلان فرمایا :-

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝[1]

(ترجمہ) بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آیا اور روشن کتاب۔

ہاں اس ذاتِ قدسی صفات کی شان میں گستاخیوں اور زباں درازیوں کی ایک آگ سلگائی گئی اور خوب دہکائی گئی مگر آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ کی موسلا دھار بارش نے اس آگ کو اس طرح ٹھنڈا کر دیا جس طرح ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود کو ٹھنڈا کر دیا گیا تھا ——— وہی آگ کو ارشادِ ربانی ہو رہا ہے :-

يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝[2]

(ترجمہ) اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی ہو جا ابراہیم پر۔

ہاں وہ اپنے محبوبوں پر ایسے ہی مہربان ہیں ؎

نارِ نمرود کو کیا گل زار
دوست کو یوں بچا لیا تو نے

اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اس ٹھنڈک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک دیکھ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں ؎

یا برد نار الخلیل ، یا سببا
لعصمة النار و هی تحترق!

(ترجمہ) اے نارِ خلیل کی ٹھنڈک ! ——— اے وہ جس نے جلتی آگ سے خلیل کو بچا لیا۔ !

---

[1] القرآن الحکیم ، سورہ المائدہ ، ۱۵

[2] القرآن الحکیم ، سورہ الانبیاء ، ۶۹

کِس کی مجال کو نیسے مجبوب کے لئے آگ سلگائے ! ـــــ یہاں جلنے والی آگ بھی نہیں جلتی ـــــ ٹھنڈی ہو ہو جاتی ہے ، مگر ـــــ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بُولہبی

نُور و نار کی یہ جنگ جاری ہے ـــــ ابلیس نے گستاخیِ رسُول کی جو آگ جلائی تھی وُہ کبھی کبھی بھڑک اُٹھتی ہے ـــــ مگر نار کی سوزشیں ، نور کی تابشوں کے سامنے ماند پڑ جاتی ہیں اور پھر نُور ہی نُور نظر آتا ہے ۔ ع

دِل نور ، جگر نُور ، زباں نور ، نظر نُور

میرے بزرگو ! اور میرے عزیزو ! ـــــ دِل کو عقیدۂ توحید سے مضبُوط و قوی کرو کہ دِل ناتواں و کمزور ہے ـــــ ہاں یہ مضبُوط و قوی ہوگا تو محمّد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی محبّت سے ـــــ انبیاء علیہم السّلام کی محبّت سے ـــــ اہل بیت کی محبّت سے ـــــ صحابۂ کرام کی محبّت سے ـــــ اولیاء عظام کی محبّت سے ـــــ عُلماء حق کی محبّت سے ـــــ جو گلشنِ توحید کے گُل بُوٹے ہیں ـــــ جو معرفتِ الٰہی کے وسیلے ہیں ـــــ جس طرح بے برگ و بار درخت کو پہچاننا مشکل ہے اُسی طرح ان حضرات کی محبّت و رہنمائی کے بغیر شجرِ توحید کی حقیقت کا پانا مشکل ہے ـــــ جس طرح آلاتِ مادیہ اور قوائے رُوحانیہ کے بغیر فضاؤں کی بلندی تک پہنچنا ناممکن ہے اُسی طرح ان حضرات کو دیکھے بغیر عقل کا آگے بڑھنا اور معرفتِ الٰہی کا حاصل کرنا ناممکن ہے ـــــ عقل کی اِس دُنیا میں عقل کی بات کیجئے ـــــ برگ و بار دیکھ کر درخت کو پہچانئے ـــــ ان سہاروں کو لے کر آگے بڑھیئے ـــــ قرآن کا یہی حکم ہے ـــــ اللہ اللہ ! قرآن کھولتے ہی پیاروں اور محبُوبوں کا ذِکر شروع ہو جاتا ہے ـــــ اِرشاد ہوتا ہے :ـ

"ہم کو سیدھی راہ پر چلا۔ اُن لوگوں کی راہ جن پر تُو نے انعام فرمایا نہ ان لوگوں کی جن پر تیرا غضب نازل ہوا۔"

یہاں حزب اللہ اور حزب الشیطان کا ذکر فرما کر حق کو باطل سے ممتاز کر دیا اور بتا دیا کہ حزب اللہ وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام اور حضرات اہل اللہ سے محبت کرے ـــــ اُن کے نقش قدم کو پانے کی دُعا کرے ـــــ اُن کے راستے پر چلنے کی آرزو کرے ـــــ اور جب وہ نقش قدم مِل جائے ـــــ اور جب وہ راستہ پالے ـــــ تو دل و جان سے اُس پر چل کر منزلِ مقصود کو پالے ـــــ بے شک انہیں کے نشانِ قدم منزلِ مقصود کا پتا دیتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا "سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔" ـــــ

ہاں ـــ

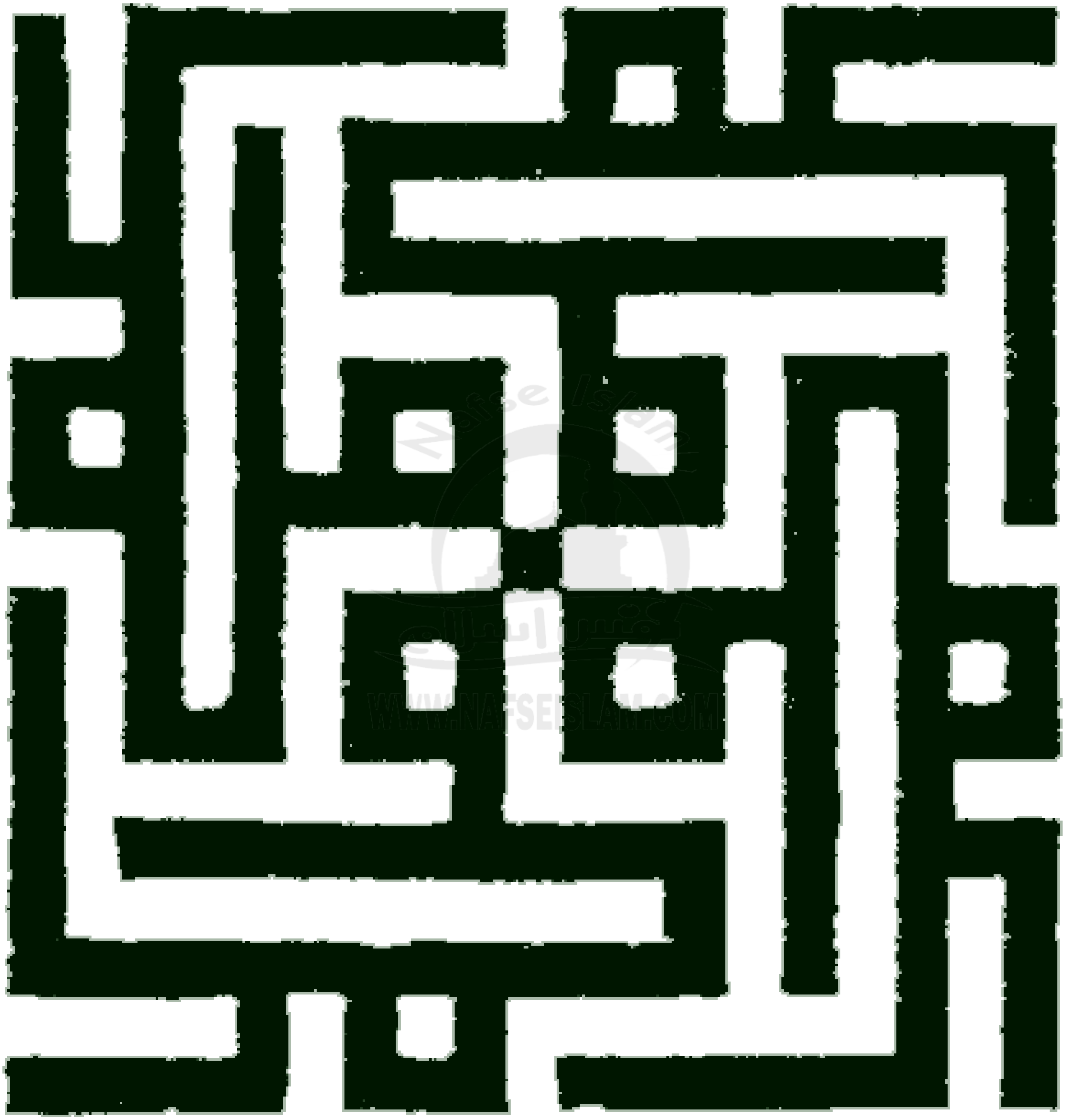
چاہیئے اچھوں کو جتنا چاہیئے
یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے؟

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

۱۴۰۳ھ
۱۹۸۲ء

پرنسپل، ڈگری کالج، ٹھٹھہ
(سندھ، پاکستان)

ادب اور بے ادبی



آدم و ابلیس

اللہ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا ــــــ اپنے فرشتوں سے کرایا ــــــ اپنے سامنے کرایا ــــــ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ غیر اللہ کے آگے سجدہ نہ کرو ــــــ نبی و رسول کی تعظیم حد سے زیادہ نہ کرو ــــــ مگر یہ کیا ہو رہا ہے؟ ــــــ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ ــــــ عقل جواب دے ــــــ ابلیس بھی تو اللہ سے یہی کہہ رہا تھا جو ہم کہتے پھرتے ہیں۔ ــــــ پھر محض اس جرم پر کہ وہ اللہ اور صرف اللہ کے آگے جھکنا چاہتا تھا ــــــ غیر اللہ کے آگے جھکنے کو اس کا دل نہ چاہتا تھا، ایسی سزا ملی کہ آج تک کسی کو ایسی سزا نہ ملی ــــــ سبحان اللہ یہ بھی کوئی جرم ہے! ــــــ پھر یہ سزا کیوں ملی؟ ــــــ اللہ کی نافرمانی پر ملی یا آدم کی گستاخی پر ملی؟ ــــــ لیکن بظاہر لغزش تو آدم (علیہ السلام) سے بھی ہوئی ــــــ حکم ہوا اس درخت کے پاس نہ جانا ــــــ ابلیس نے بہکا دیا ــــــ درخت کے قریب چلے گئے پھر جو ہوا سو ہوا ــــــ مگر گرفت نہ فرمائی، تنبیہ فرما کر معاف فرما دیا گیا ــــــ تو اگر لغزش ہی موجبِ غضب ہوتی تو آدم (علیہ السلام) کو معاف نہ کیا جاتا ــــــ مگر نہیں آدم (علیہ السلام) کی یہ لغزش اللہ کی جناب میں تھی، اس لئے کلماتِ معذرت القا فرما کر معاف کر دیا گیا ــــــ اور ابلیس کی گستاخی اللہ کے محبوب بندے آدم (علیہ السلام) کی جناب میں تھی جس کو معاف نہ کیا گیا اور ذلت و خواری کا طوق ابدالآباد تک اس کی گردن میں ڈال دیا گیا ــــــ بے شک ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا لیکن حقیقت میں تعظیمِ رسول سے انکار کیا ــــــ وہ سرکش نہ تھا ــــــ وہ مشرک نہ تھا ــــــ وہ بدعتی نہ تھا ــــــ وہ موحد تھا موحد ــــــ وہ عابد و زاہد تھا ــــــ تو پھر وہ کیوں مارا گیا؟ ــــــ بلاشبہ گستاخیِ رسول پر مارا گیا ــــــ یہ نکتہ نظر انداز کرنے کے لائق نہیں، غور فرمائیں اور خوب غور فرمائیں ــــــ

اگر وہ نافرمانی پر مارا جاتا تو قصے کو طول نہ دیا جاتا ــــــ اللہ کو معلوم تھا کہ اس نے کیوں انکار

کیا ـــــــ مگر پھر بھی اُس سے پُوچھا کہ تُو تو سرکش نہ تھا پھر کیا ہُوا کہ تُو نے سجدہ سے اِنکار کر دیا؟ ـــــــ ہاں یہ اِس لئے پُوچھا گیا کہ رازِ محبت عالم آشکار ہو جائے ـــــــ سب کو خبر ہو جائے ـــــــ اُس نے کہا کہ خُدایا تُو نے مجھے آگ سے پیدا کیا آدم کو خاک سے پیدا کیا ـــــــ مَیں آدم سے بہتر ہُوں ـــــــ ابلیس نے غلط نہ کہا تھا کہ آدم کو خاک سے پیدا کیا گیا تھا ـــــــ مگر اللہ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ یہ ایسا سچ تھا جس سے ایک اولوالعزم نبی کی تحقیر ہوتی تھی، اسی لئے فرمایا کہ تو ہمارے نبی کو حقیر سمجھتا ہے جا، دفع ہو ذلیل و خوار ہو! فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ[1] ـــــــ معلوم ہُوا کہ نبی کی شان میں کوئی سچی بات بھی تحقیر آمیز انداز میں کہی جائے تو ابدی بدبختی اور غضبِ الٰہی کا سبب بن سکتی ہے ـــــــ بے شک ہے۔

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اللہ اللہ تخلیقِ آدم (علیہ السّلام) کے پہلے ہی روز گستاخانِ رسُول کا انجام دِکھا دیا گیا کہ کوئی آنے والا گستاخی کی جرأت نہ کر سکے ـــــــ نائبِ رب العالمین کا سِکّہ چلتا رہے اور اُن کے دامنِ عصمت پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے ـــــــ

ابلیس کی بدبختی و بدنصیبی کا سبب آدم (علیہ السّلام) کی ذات تھی اِس لئے اس کا پہلا نشانہ آپ کی ہی ذات ٹھہری ـــــــ اس نے آپ کو بہکایا ـــــــ اب وُہ دِلوں میں ہزاروں وسوسے ڈالتا ہے۔ مگر سب سے خطرناک وسوسہ یہی ہے کہ "نبی کچھ نہیں، بس اللہ ہی اللہ ہے" ـــــــ یہ وُہی بات ہے جس نے ابدالآباد تک ابلیس کی گردن میں لعنت کا طوق ڈالا ـــــــ کون ابلیس؟ ـــــــ جو موحّد تھا ـــــــ جس نے برس ہا برس فرشتوں کو تعلیم دی ـــــــ جن ہوتے ہُوئے ریاضات و مجاہدات نے جس کو فرشتوں کی صف میں لا کھڑا کیا اور پھر اُس کے سامنے فرشتوں کو زانوئے تلمّذ تہہ کرنا پڑا ـــــــ اور وُہ فرشتوں کا اُستاد بنا دیا گیا ـــــــ اس بلندی پر پہنچنے کے باوجود ـــــــ اس شان کے علم و فضل اور زُہد و عبادت کے باوجود ـــــــ دیکھتے ہی دیکھتے آسمانِ عزّت کی بلندیوں سے غارِ ذلّت کی پستیوں

---

[1] القرآن الحکیم، سورۃ الاعراف ۱۳۔

میں گرادیا گیا ـــــــ آدم (علیہ السلام) کی جناب میں گستاخی کی پاداش میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے ملعون و مردود ٹھہرادیا گیا ـــــــ معلوم ہوا کہ نبی کی شان میں گستاخی عمر بھر کی نیکیوں اور زمانے بھر کی فضیلتوں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیتی ہے ـــــــ اللہ اللہ ـــــــ جو کبھی عالم تھا ـــــــ جو کبھی ولیِ کامل تھا ـــــــ جو کبھی معلم الملکوت تھا ـــــــ گستاخیٔ رسول کے بعد اب وہ کچھ بھی نہیں ـــــــ پہلے اس کے آگے فرشتے باادب کھڑے ہوتے تھے ـــــــ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس سے پناہ مانگو ـــــــ اس سے دُور بھاگو ـــــــ حیف! ایک عالم و فاضل اور عابد و زاہد کو گستاخی کہاں سے کہاں لے گئی ـــــــ قصۂ ابلیس و آدم ہماری آنکھیں کھولنے کے لیئے کافی ہے ـــــــ مگر نہیں آنکھیں نہیں کھلتیں ـــــــ اور نہ معلوم جان بوجھ کر یا بے سوچے سمجھے ابلیس کے مشن کو تقویت پہنچائی جا رہی ہے ـــــــ اس کا مشن یہی ہے کہ مخلوقِ الٰہی کو انبیاء و اولیاء سے دُور لے جایا جائے ـــــــ اور ان سے بیگانہ کر کے کہیں کا نہ رکھا جائے ـــــــ عظمتِ نبوت اس کی ذلت و رسوائی کا سبب بنی ـــــــ اس لیئے اس نے آدم، جانشینِ آدم، حضرات انبیاء علیہم السلام اور وارثینِ انبیاء، حضرات اہل اللہ کو اپنا حریف سمجھا ہے اور وہ انہیں کی عزت و ناموس کے درپے ہو رہا ہے ـــــــ دلوں کو ان سے توڑ رہا ہے ـــــــ زبانوں کو ان کی جناب میں گستاخ بنا رہا ہے ـــــــ خوب بدلے لے رہا ہے ـــــــ

حقیقت میں امرِ رب مقامِ ادب سے بھی بالا تر ہے ـــــــ الامر فوق الادب ـــــــ ابلیس یہ نکتہ نہ سمجھا۔ وہ غیر اللہ کے آگے نہ جھکنے کو جانِ توحید سمجھا اور اس حرفِ محبت کو بھلا دیا کہ بندگی محبوب کے اشاروں پہ چلنے کا نام ہے ـــــــ اسی لیئے وہ مغضوب و مردود ٹھہرا کہ حرفِ محبت سے ناآشنا تھا۔ اس کو عشق نے ڈسا، اس نے محبت کا مزا نہ چکھا ـــــــ بے شک رئیس العاشقین ہی رئیس الموحدین ہے ـــــــ جس کو محبت و ادب کا اس و لحاظ نہیں وہ عاشقی و بندگی کیا جانے:

عاشق نہ شدی و محنتِ اُلفت نہ کشیدی
کس پیش تو غمنامۂ ہجراں چہ کشاید

ایک ظاہری سجدہ ہے ــــ ایک باطنی سجدہ ہے ــــ ظاہر سجدہ یہ ہے کہ انسان کی پیشانی خمیدہ ہو کر زمین بوس ہو جائے۔ اور باطن سجدہ یہ ہے کہ جسم و جان دونوں مصروفِ اطاعت و بندگی ہو جائیں ــــ گویا اطاعت و فرماں برداری رُوحِ سجدہ ہے ؎

یہ ایک سجدہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اسی لیے فرمایا مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ[1] ــــ جس نے رسُول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی ــــ دُوسری جگہ فرمایا قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ[2] ــــ ان سے فرما دیجئے اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو میری اطاعت کرو، پھر اللہ تم کو محبوب بنا لے گا ــــ رسُول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور اللہ کی محبوبیت کا سب سے بڑا وسیلہ ــــ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں رُوحِ سجدہ کی جھلک نظر آرہی ہے ــــ

مجاز پرستی کے اس دور میں توحیدِ خالص کا اس طرح پرچار کرنا کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں، رسُولوں، نبیوں اور ولیوں کو محتاجِ محض اور عاجز مخلوق قرار دے کر تمام انسانوں کی صف میں کھڑا کر دیا جائے نہایت ہی خطرناک ہے ــــ خصُوصاً اس دور میں جو نبیوں، رسُولوں اور ولیوں سے چھوٹا وہ خدا سے چھُوٹا اُس کا مسلمان نظر آنا تو ممکن ہے مگر مسلمان رہنا مشکل ہے۔ ؎

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یُوں ہی خوار پھرتے ہیں

---

[1] القرآن الحکیم سورۃ النساء / ۸۰
[2] القرآن الحکیم آل عمران / ۳۱

آدابِ رسالت

قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ [۱]

اے ایمان والو! "راعنا" نہ کہو بلکہ "انظرنا" کہو (یعنی حضور ہم پر نظر رکھیں) اور (ارشادات عالی کو پہلے ہی سے دل لگا کر) سنو ۔ ——— (اس حکم سے) سرتابی کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے ——

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارک میں جب صحابہ کرام کی سمجھ میں کوئی بات نہ آتی تھی تو "راعنا" کہتے تھے یعنی ہماری رعایت کیجیے اور مکرر ارشاد فرمائیے" ——— اس مجلس مبارک میں یہودی بھی ہوتے، وہ "ع" کی زیر کو ذرا کھینچ کر "راعینا" کہتے تھے جس کے معنی لیتے "اے ہمارے چرواہے"! ———

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہودیوں کی اس تحقیر آمیز شرارت کو سمجھ گئے چنانچہ انہوں نے ببانگ دہل فرمایا کہ "اے دشمنانِ اسلام! تم پر خدا کی لعنت قسم ہے اس کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے پھر کسی نے رسول اللہ کو اس طرح مخاطب کیا تو اس کی گردن اڑا دوں گا" [۲] ———

جلالِ سعد بن معاذ نے آسمان و زمین کو ہلا کر رکھ دیا ——— اور یہ آیت نازل ہوئی جس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گستاخانِ رسول کے منہ بند کر دیے اور عذابِ الیم کی وعید سنائی ———

یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ کفار و یہود جو کچھ کہا کرتے تھے، وہ بیان واقعی تھا ——— جھوٹ نہ تھی یعنی فی الواقعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائی تھیں گو اُن کی بکریاں نہ چرائیں بلکہ اپنی یا غنم کی

---

[۱] القرآن الحکیم، سورۃ البقرہ، ۱۰۴

[۲] حاشیہ تفسیر طبری، جلد اوّل، مطبوعہ مصر ۱۳۲۱ھ، ص ۳۵۷، بحوالہ تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان لعلامہ نظام الدین حسن بن محمد)

ماں کی بکریوں کی پاسبانی فرمائی۔ اور آپ ہی پر کیا منحصر ہے بہت سی جلیل القدر ہستیوں نے بکریاں چرائی ہیں، یہ کوئی ایسا کام نہیں جس کو معاشرے میں اچھی نظر سے نہ دیکھا جائے۔ پھر بھی ارشاد ہوا "خبردار! آپ "رَاعِنَا" نہ کہنا! ——— بات چل رہی ہے "رَاعِنَا" کی اور ممانعت فرمائی جارہی ہے "رَاعِنَا" کی ——— اللہ اللہ غیرتِ الٰہی کی شان تو دیکھو! ——— کافروں کے معنی و مقصود کا تصور تک صحابہ کے دل میں نہ تھا بلکہ یہ وسوسہ ان کے قلبِ صافی میں گزر ہی نہ سکتا تھا مگر پھر بھی ممانعت فرمائی ——— تو پھر اس کی کیا وجہ تھی؟ ——— بات یہ تھی گو "رَاعِنَا" اور "رَاعِیْنَا" کسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے موجبِ اہانت و توہین نہ ہو مگر کفار و یہود کا اس کو موجبِ توہین سمجھ کر استعمال کرنا غیرتِ الٰہی کو گوارا نہ ہوا۔ اور صحابہ کی زبان سے ایک ایسے لفظ کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا جو اگرچہ صحابہ کے نزدیک کسی پہلو سے بھی موجبِ اہانت نہیں مگر کفار کے اختیار کردہ لفظ کے ساتھ اسے لفظی اشتراک ہے ——— یہ آپ کی کمالِ رعایتِ ادب ہے ؎

با صاف ضمیراں با ادب باش کہ بسیار
از آب گہر آئینہ زنگار گرفت ست

الغرض ہر چند صحابہ لفظ "رَاعِنَا" کو ادب و احترام اور تعظیم کے لئے استعمال کرتے تھے مگر پھر بھی اس سے ملتے جلتے دوسرے لفظ "رَاعِیْنَا" کا استعمال تذلیل و تحقیر کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اس لئے ممنوع قرار دے دیا گیا۔ لفظ رَاعِنَا سے اشارۃً و کنایۃً بھی توہین مُراد نہ تھی بلکہ اس کا استعمال تعظیم و ادب کے لئے تھا، پھر یہ لفظ مردود ٹھہرا اور اس کا استعمال کرنے والا مغضوب، تو غور کرو جن کلمات میں صراحۃً اور کھلم کھلا آپ کی شان میں گستاخی کی گئی ہو مولیٰ تعالیٰ کے نزدیک ان کلمات کا اور ان کے قائل کا کیا مقام ہوگا؟ ——— اس آیت میں دوسری بات قابلِ توجہ یہ ہے کہ یہاں مومنین سے خطاب فرمایا ہے، کفار و یہود سے نہیں، اس لئے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ وہی آیت کے مخاطب ہیں ——— نہیں نہیں، مخاطب عوام و خواص مومنین ہیں۔

بہر کیف آیتِ مذکورہ سے مندرجہ ذیل اصول و آداب مستنبط کئے جاسکتے ہیں:-

۱۔ ایسا لفظ جس کے معنی اور اطلاق اگرچہ فی نفسہ صحیح ہو مگر اس سے تمسخر و استہزاء کا پہلو نکل سکتا ہو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور استعمال کرنا ناجائز ہے۔

۲۔ ایسے لفظ کا استعمال بھی جائز نہیں جو اگرچہ مقامِ ادب میں بولا جاتا ہو مگر اس سے ملتا جلتا لفظ مقامِ ادب سے گرا ہوا ہو۔

۳۔ ایسے لفظ سے اگرچہ قائل کی مراد تمسخر و استہزاء نہ ہو مگر پھر بھی وہ گنہگار اور قابلِ مواخذہ ہے۔

۴۔ اس قسم کے الفاظ بھول چوک اور اضطرار میں بھی نکل جائیں تو تدارک لازم ہے۔

۵۔ جان بوجھ کر کہے جائیں تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے ______ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ اللہ کے نزدیک بھی اس کا قائل واجب القتل ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

قرآنِ کریم میں جابجا ایسی آیات ملتی ہیں جن سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و توقیر کا درس دیا ہے اور عظمت و شوکت کو بیان کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ان آیات کو دل سے لگا کر رکھیں۔ تاکہ گلشنِ محبت وا ہو اور ویرانِ نجد ______ ملاحظہ فرمائیں :۔

۱۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ[۱]

(ترجمہ) اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہیں تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تم کو خبر تک نہ ہو۔

۲۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ[۲]

(ترجمہ) جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری

---

[۱] القرآن الحکیم، سورۃ الحجرات : ۲

[۲] القرآن الحکیم، سورۃ الحجرات : ۳

کے لیے رکھ لیا ہے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

۳۔ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝[1]

(ترجمہ) جو حجروں کے پیچھے تم کو آواز دیتے ہیں، ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

۴۔ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ[2]

(ترجمہ) (ایمان والے وہ ہیں) جو نبی کی مجلس سے نبی کی اجازت کے بغیر نہیں جاتے۔

۵۔ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ[3]

(ترجمہ) جو شخص اجازت چاہے اپنے کسی کام کے لئے تو ان میں سے جسے تم چاہو اجازت دے دو (جسے نہ چاہو اجازت نہ دو)

۶۔ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا[4]

(ترجمہ) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

۷۔ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝[5]

(ترجمہ) جو لوگ محفل مبارک سے آڑ لے کر کھسک جاتے ہیں اللہ انہیں جانتا ہے۔ وہ اللہ کے حکم کے خلاف کرتے ہیں، اُن کو خدا سے ڈرنا چاہیے کہ وہ آفت یا عذاب کا شکار نہ ہو جائیں۔

---

[1] القرآن الحکیم، سورۃ الحجرات، ۴
[2] القرآن الحکیم، سورۃ النور، ۶۲
[3] القرآن الحکیم، سورۃ النور، ۶۲۔
[4] القرآن الحکیم، سورۃ النور، ۶۳
[5] القرآن الحکیم، سورۃ النور، ۶۳

۸۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ہ [۱]

(ترجمہ) بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے دُرود بھیجتے ہیں اُس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو! ان پر دُرود اور خوب سلام بھیجو!

۹۔ قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ہ [۲]

(ترجمہ) تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کُنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان یہ چیزیں اللہ اور اُس کے رسُول اور اُس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

قرآن کریم میں بعض آیات وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت فرمائی ہے یا کوئی ہدایت و نصیحت ——— ایسی آیات میں عموماً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست خطاب فرمایا ہے ——— بعض آیات وہ ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و محاسن اور اَن گنت خوبیاں بیان کی گئی ہیں ——— ایسی آیات میں عموماً براہِ راست مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔

اسی طرح احادیث میں بعض احادیث وہ ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عجز و انکسار کا اظہار فرمایا ہے اور بعض احادیث وہ ہیں جن میں آپ نے اپنی جلالتِ شان کا ذکر فرمایا ہے ——— اب ایک آنکھ تو وہ ہے جو پہلی قسم کی آیات و احادیث پر نظر جمائے ہوئے ہے، اُس کی نظر دوسری

---

[۱] القرآن الحکیم، سُورۃ الاحزاب: ۵۶

[۲] القرآن الحکیم، سُورۃ التوبہ: ۲۴

قسم کی آیات و احادیث کی طرف اُٹھتی ہی نہیں۔ ـــــ مگر ایک آنکھ وُہ بھی ہے جو پہلی اَور دُوسری دونوں قسم کی آیات و احادیث کو سامنے رکھ کر قرآن و حدیث کی رُوح تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے اَور وُہ کچھ دیکھتی اَور دِکھاتی ہے جو پہلی آنکھ نہیں دیکھ پاتی ـــــ وُہ پہلی آنکھ عالمِ آب و گِل میں اُلجھ کر رہ گئی اَور یہ دُوسری آنکھ سمٰوٰت، بلکہ ماوراے سمٰوٰت جا پہنچی ـــــ اُس کا اندازِ نظر غیر سائنٹیفک ہے، اِس کا اندازِ نظر سائنٹیفک ہوتے ہوئے بھی عاشقانہ اَور مومنانہ ہے۔

توہینِ رسالت

مولوی اسمٰعیل دہلوی نے پاک و ہند کے جس ماحول میں آج سے ڈیڑھ سو ۱۵۰ برس پہلے جو تقویۃ الایمان لکھی تو اس دور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق اور مشائخ عظام و اولیائے کرام سے محبت و عقیدت کے چرچے عام تھے، شاہ وقت بہادر شاہ ظفر خود اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھتا تھا مولوی اسمٰعیل دہلوی کی انقلابی طبیعت کو یہ ماحول بیگانہ معلوم ہوا اور انہوں نے ابن عبدالوہاب کی روش پر چلتے ہوئے ماحول کے خلاف بھرپور جنگ کی اور تقویۃ الایمان لکھ کر عوام و خواص کے عشق و محبت کو جھنجھوڑا ـــــــ علمائے خیرآباد علمائے بدایوں، علمائے بریلی، علمائے فرنگی محل اور علمائے دہلی وغیرہ نے تقویۃ الایمان کی بعض عبارات کی گرفت کی اور بعض علماء نے اس کے رد لکھے اور یہ سلسلہ چل نکلا ـــــــ جو آج تک جاری ہے ـــــــ

تقویۃ الایمان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام محبوبانِ خدا کی جناب میں جو بے باکانہ اسلوب اختیار کیا ہے وہ ان محبوبوں کے خالق و مالک جل وعلا کے کلام میں بھی نہیں ملتا ـــــــ سارے قرآن کو پڑھ جائیے، کہیں یہ انداز نہ پائیں گے جو صاحب تقویۃ الایمان نے اپنایا ہے ـ جب خدا نے اپنے محبوبوں کا پاس و لحاظ رکھا ہے تو بندے کی کیا مجال کہ وہ ایسا بد لحاظ ہو جائے۔

طریقت میں جس نے قدم رکھا ہے وہ معمولی انسان کے لئے بھی بے باک نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی جناب میں بے باک ہو ـ صاحب طریقت پیکر عجز و انکسار ہوتا ہے ـ اس کو ہر گھڑی اپنی عاقبت کی فکر ہوتی ہے ـــــــ وہ بڑے بول نہیں بولتا بڑے بول وہی بولتا ہے جو اپنی عاقبت سے بے نیاز ہوتا ہے ـــــــ

تقویۃ الایمان کی ساری باتیں رد کرنے کے لائق نہیں مگر بہت سی ایسی باتیں لکھ دی ہیں جنھوں نے ساری کتاب پر پانی پھیر دیا ہے ـــــــ کاش صاحب تقویۃ الایمان ادب کی اہمیت کو سمجھتے اور ایسی عبارات سے گریز کرتے جو مقام ادب کے منافی ہیں ـــــــ

اسلام سراسر عشق و محبت ہے اور محبت سراسر ادب ـــــــ مقامِ عقل میں جو بات معقول نظر آتی ہے، مقامِ عشق میں وُہ نا معقول ہو جاتی ہے ـــــــ مگر یہ بات وہی سمجھ سکتا ہے جو آشنائے محبت اور دانائے ادب ہو۔

"محبوب کے سامنے زور سے نہ بولو" ـــــــ عقل پُوچھتی ہے، کیوں نہ بولیں؟ ـــــــ

عشق کہتا ہے، خاموش، ہاں نہ بولو! ـــــــ "محبُوب کی مجلس سے بلا اجازت نہ کھسکو" ـــــــ

عقل پوچھتی ہے، کیوں نہ کھسکیں؟ ـــــــ عشق کہتا ہے، خبردار، ہاں نہ کھسکو! ـــــــ

"باہر سے محبُوب کو آواز دے کر نہ بلاؤ" ـــــــ عقل پُوچھتی ہے، کیوں نہ بلائیں؟ ـــــــ

عشق کہتا ہے، ہشیار، ہاں نہ بلاؤ! ـــــــ "محبُوب کی محبت پر آل واولاد اور جان ومال سب کچھ نثار کردو" ـــــــ عقل پوچھتی ہے، کیوں نثار کردیں؟ ـــــــ عشق کہتا ہے، ہاں ہاں نثار کردو! ـــــــ ع

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

حضُورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی جناب میں جن آداب کا قرآنِ حکیم نے ذکر کیا ہے ـــــــ اگر عقل سے سمجھو تو سمجھ میں نہیں آتے ـــــــ ہاں عشق سے سمجھو تو ہر ادب دِل میں گھر کرتا چلا جاتا ہے۔

مقامِ عقل میں بھُول چُوک میں چھُوٹ ہے۔ مگر مقامِ عشق میں بھُول پر سخت سزا ہے ـــــــ بھُول چُوک غیر سے بیوستگی کا نتیجہ ہے۔ اِس لئے عاشق کے شایانِ شان نہیں کہ وُہ غیر سے وابستہ ہو کر اتنا از خود رفتہ ہو جائے کہ آدابِ محبت کو یکسر فراموش کردے۔

قرآنِ حکیم میں جہاں حضُورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی آواز پر آواز بلند کرنے کی ممانعت فرمائی ہے وہاں صرف ممانعت نہیں بلکہ یہ بھی فرمایا جا رہا ہے کہ آج کے بعد اگر بھُول چُوک میں بھی کسی کی آواز بلند ہو گئی تو عجب نہیں کہ اس کے نیک اعمال ضائع کر دیئے جائیں اور اُس کو خبر تک نہ ہو ـــــــ کِس کے اعمال؟ ـــــــ

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعمال ـــــــ جن کا ایک عمل، اغواث واقطاب وابدال کے سارے کی ساری عمروں کے اعمال پر بھاری ہے ـــــــ غور کرو! ـــــــ اور خُوب غور کرو! ـــــــ

جنابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بے ادبی و بے باکی کوئی معمولی بات نہیں ـــــــــــ بہت بڑی بات ہے۔

یہ تو تھی صرف آواز اونچی کرنے والی بات ـــــــــــ اُن کی آواز جن کے مُنہ سے نکلے ہوئے کلمات ملتِ اسلامیہ کے لیے حُجت ہیں ـــــــــــ ایسے کلمات کا زور سے نکل جانا بھی خُدا کے نزدیک باعثِ تعزیرِ شدید ٹھہرا ـــــــــــ تو اُن کلمات کی بات کیا کی جائے جن میں اہانت و توہین کی بُو آ رہی ہے ـــــــــــ؟

آئندہ صفحات میں مولوی اسمٰعیل دہلوی کی بعض گستاخانہ عبارات کا جائزہ لیا جائے گا اس سلسلے میں موصوف کے متبعین و معتقدین سے اتنی گزارش ہے کہ اگر راقم کا کوئی کلمہ یا عبارت مولوی اسمٰعیل کی شان میں گستاخانہ محسوس فرمائیں تو اس کی بھی اسی طرح تاویل فرمالیں جس طرح مولانا اسمٰعیل کی گستاخانہ عبارات کی تاویل فرمایا کرتے ہیں یعنی یہ کہ انہوں نے جو گستاخانہ عبارات لکھی ہیں اُن سے مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی نہ تھی بلکہ رب تبارک و تعالیٰ کی بڑائی دکھانا مقصود تھا ـــــــــــ راقم کی بھی عبارات اور کلمات کی بھی یہ تاویل فرمالیں کہ اس سے مقصود مولوی اسمٰعیل کی تذلیل و تحقیر نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان کا بیان مقصود ہے اور بلاشبہ یہ تاویل نہ ہوگی بلکہ اظہارِ حقیقت ہوگا کیوں کہ راقم کا مسلک تو یہ ہے ؏

اُخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی

تعارف تقویۃ الایمان

تقویۃ الایمان کا جو ایڈیشن ہمارے سامنے ہے اِس کا پُورا نام ہے تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان مؤلفہ مولوی اِسماعیل و نصیحۃ المسلمین مؤلفہ مولوی خرم علی مطبوعہ لاہور (۱۹۷۸ء)، شائع کردہ امجد اکیڈمی، لاہور

تقویۃ الایمان ۷۰ صفحے کا رسالہ ہے جو صفحہ ۹ سے صفحہ ۷۸ تک پھیلا ہوا ہے، اِس کے بعد تذکیر الاخوان کے نام سے ایک اَور رسالہ ہے، یہ صفحہ ۸۱ سے صفحہ ۲۲۷ تک پھیلا ہوا ہے، اِس رسالے کو مولوی اِسماعیل سے منسوب کیا گیا ہے ______ اِس اڈیشن میں تقویۃ الایمان اَور تذکیر الاخوان کے علاوہ سید عبداللہ بغدادی کے مکتوب عربی (محررہ ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) کے جواب میں مولوی اِسماعیل کا مکتوب بھی ہے جو صفحہ ۲۲۹ سے ۲۳۵ تک پھیلا ہوا ہے، اِس کے بعد تقویۃ الایمان کی حمایت و تائید میں دُوسرے فتووں کے علاوہ مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ بھی ہے جس میں وُہ لکھتے ہیں:-

ا۔ تقویۃ الایمان بہت ہی اچھی کتاب ہے اَور شرک و بدعت کی تردید میں بے مثال ہے۔[1]

ب۔ بات یہ ہے کہ شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بدعتیوں کو اِس واسطے دُشمنی ہے کہ آپ نے بدعتیوں کی خوب مٹی پلید کی[2] اَور بدعتیوں کے بازار کو سرد کر دیا۔[3]

فتووں کے بعد جامع تقویۃ الایمان نے تقویۃ الایمان کی متنازع فیہ عبارات کے بارے میں سوالاً جواباً صفائی پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو عُذرِ گناہ بدتر از گناہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ جامع موصُوف نے

---

[1] اِسماعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبُوعہ لاہور (۱۹۷۸ء) ص ۲۳۷

[2] لفظ "مٹی پلید کرنا" ایک عامیانہ محاورہ ہے جو ایک مُفتی و فقیہ کے شایانِ شان نہیں۔

[3] اِسماعیل دہلوی: تقویۃ الایمان، ص ۲۳۷

پیغمبر علیہ السلام کو بڑا بھائی کہنے اور اللہ کے آگے چمار سے زیادہ ذلیل کہنے اور اس قسم کے اور کلمات کی تاویل و توجیہ فرمائی ہے ——— مناسب تھا کہ یہ نامعقول جملے حذف کر دیئے جاتے اور اُن سے بریّت کا اعلان کرا دیا جاتا ——— جب صاحب تقویۃ الایمان نے ایسی آیات و احادیث کو نظر انداز کر دیا جن سے انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شوکت کا اندازہ ہوتا تھا تو ایسے کلمات کو خارج کرنے میں کونسی قباحت تھی جن سے ان حضرات قدسیہ کی تحقیر و تذلیل ہوتی تھی ——— ناشائستہ کلمات کی تاویل و توجیہ کرکے اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنا ہرگز دانائی و ہوش مندی کی بات نہیں ——— بات سے بات نکلتی ہے، مولوی اسمٰعیل دہلوی نے جو رِوش اختیار کی یعنی انبیاء علیہم السلام کی تحقیر و تذلیل کے لئے آیاتِ قرآنیہ سے استدلال کرنا اور ایسی آیات کو قطعاً نظر انداز کر دینا جن سے کمال رفعت و بلندی کا اندازہ ہوتا ہو، ڈیڑھ سو برس گزر جانے کے بعد بھی بعض حضرات اب تک اُس راہ پر چل رہے ہیں۔ یہ کوئی الزام نہیں، ذاتی تجربہ ہے، سُنیئے:۔

فروری ۱۹۷۹ء میں ایک ضعیف العمر عالم، عقائد سے متعلق اپنی تصنیف پر تقریظ لکھوانے تشریف لائے ——— کتاب کھول کر دیکھی تو نبیوں اور رسُولوں کا اس انداز سے تعارف کرایا گیا تھا کہ گویا وُہ اللہ تعالیٰ کی بے بس مخلوق ہیں (معاذ اللہ) مثلاً یہ کہ نبی کو کنوئیں میں ڈال دیا جاتا ہے، قید کر دیا جاتا ہے، بیمار ڈال دیا جاتا ہے، دریا میں پھینک دیا جاتا ہے، مچھلی کے پیٹ میں محبوس کر دیا جاتا ہے۔ وطن سے بے وطن کر دیا جاتا ہے۔ میدانِ جنگ میں لہولہان کر دیا جاتا ہے، ردرد کے وُہ بینائی سے محروم ہو جاتا ہے، آگ میں ڈال دیا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

راقم نے عرض کیا کہ اُولوالعزم نبیوں اور رسُولوں کا یہ کیسا تعارف کرایا ہے؟ ——— فرمانے لگے یہ تو سب قرآن میں موجود ہے، راقم نے عرض کیا ——— بے شک یہ سب کچھ قرآن میں ہے مگر اسی قرآن میں :۔

○ یہ بھی تو ہے کہ سلیمان (علیہ السلام) کے خادم نے ملکہ سبا کا تخت سینکڑوں میل کی مسافت سے چشم زدن میں لا کر رکھ دیا۔

- یہ بھی تو ہے کہ ایوب (علیہ السّلام) نے جب زمین پر قدم مارا تو چشمہ پھوٹ نکلا۔
- یہ بھی تو ہے کہ جب مریم (علیہا السّلام) دُنیا سے کنارہ کش ہو گئیں تو دیکھتے ہی دیکھتے پردۂ غیب سے اسبابِ معیشت فراہم کیے گئے۔
- یہ بھی تو ہے کہ حضرت عیسٰی (علیہ السّلام) نے عالمِ شیر خوارگی میں اعلانِ نبوت فرمایا ــــــ پھر جب نبوت ملی تو یہ اعجاز ملا کہ ابرص پر ہاتھ پھیرا تو داغ دھبّے دُھل گئے، مُردے پر دم کیا تو آن کی آن میں زندہ کر دیا اور مادر زاد اندھے پر نظر فرمائی تو بینا کر دیا۔
- یہ بھی تو ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السّلام) کے پیرہن مبارک کی خوشبو میلوں مسافت سے حضرت یعقوب (علیہ السّلام) نے سُونگھ لی اور جب پیرہن آنکھوں سے مَس ہوا تو بینائی آ گئی۔
- یہ بھی تو ہے کہ حضرت موسٰی (علیہ السّلام) نے پتھر پر عصا مارا تو چشمے اُبل پڑے، دریا پر مارا تو راستے نکل گئے، زمین پر عصا پھینکا تو پھنکارتا ہوا اژدہا بن گیا۔ گریبان سے ہاتھ نکالا تو چمک اُٹھا ــــــ ہونٹوں سے حرفِ دعا نکلا تو من و سلویٰ اُترا۔
- یہ بھی تو ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السّلام) نے گُشتہ پرندوں کو آواز دی تو دیکھتے ہی دیکھتے وُہ اُڑتے ہوئے چلے آئے۔
- یہ بھی تو ہے کہ حضرت خضر (علیہ السّلام) نے علومِ غیبیہ کے وُہ وُہ دَر کھولے جو حضرت موسٰی (علیہ السّلام) پر آشکار نہ کیے گئے تھے۔
- یہ بھی تو ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی زبانِ مُبارک سے جِنّوں نے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی تو دل پکڑ کر رہ گئے، اور قدموں پر آ گرے۔
- یہ بھی تو ہے کہ جب اُس حبیبِ لبیب صلی اللہ علیہ وسلّم نے کنکریاں پھینکیں تو آن کی آن میں دشمنوں کی صفیں اُلٹ گئیں۔
- یہ بھی تو ہے کہ آپ کے اشارے سے چاند دو نیم ہو گیا اور سارا عالم دنگ رہ گیا۔

○ یہ بھی تو ہے کہ جب بیتُ اللہ کی طرف آپ کی نظریں پھریں تو سارے عالم کی نظریں اس طرف پھیر دی گئیں۔

○ یہ بھی تو ہے کہ جب آپ میدانِ جہاد میں اُترے تو فرشتے فوج در فوج آپ کی مدد کو جا پہنچے۔

○ یہ بھی تو ہے کہ اُس تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کے مولیٰ نے مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک راتوں رات سیر کرائی اور پھر اُن بلندیوں پر لے گیا جس کا تصوّر انسان کے بس کی بات نہیں۔

اللہ اللہ یہ سارے اذکار قرآنِ حکیم میں موجود ہیں۔ اِن کا کیوں ذکر نہ کیا؟ فرمانے لگے ،، عظمتوں کا ذکر کیا جائے تو لوگ کُفر و شرک میں مُبتلا ہو جاتے ہیں" ـــــــ فقیر نے عرض کیا کہ "اِس کی فکر تو حق جل مجدہٗ فرمائے گا جس نے ایسی آیات نازل فرمائیں، آپ کیوں اِس فکر میں مبتلا ہو گئے؟ ـــــــ پھر مجبور ہو کر فرمانے لگے کہ "عظمتوں کی باتیں تو مساجد و مجالس میں عُلماء و واعظین سے سُنی جا سکتی ہیں" ـــــــ فقیر نے عرض کیا "لیکن آپ اپنی کتاب میں اس کا ذکر نہ فرمائیں گے؟" ـــــــ اِس پر وہ عالم خاموش ہو گئے اور نا اُمیدی کے ساتھ اپنا مسوّدہ لے کر چلے گئے ـــــــ ـــــــ

اِس سانحہ سے سخت صدمہ ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ ہمارے درمیان اَب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو ایسی آیات و احادیث کو برسرِ منبر بیان نہیں کرنا چاہتے جن میں محبوبانِ خُدا کی تعریف و توصیف اور اُن کی عظمتوں اور منزلتوں کا ذکر ہے۔ اِس لئے بالعموم ان حضرات کا موضوع کفر و شرک ہی رہتا ہے اور وہ محبوب سے زیادہ مغضوب کا ذکر کرنا پسند کرتے ہیں ـــــــ یہ بات تقاضائے ایمان کے منافی ہے، کوئی مسلمان نہیں جو ایسا کرنے پر دل سے آمادہ ہو ـــــــ

اللہ تعالیٰ نے رُوئے زمین کے تمام انسانوں کو اپنی جناب میں یہ التجا کرنے کا حکم دیا ـــــــ (اَے اللہ) ہمیں سیدھے راستے پر چلا، ان (برگزیدہ پیاروں) کا راستہ جن پر تُو نے

انعام فرمایا" ——— اللہ اکبر! ان پیاروں اور محبوبوں کے ذکر کے بغیر نہ دعا ہے اور نہ نماز ——— کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ہر دعا میں اوّل و آخر درود شریف پڑھ لیا کرو ——— درود شریف کا مقبول بارگاہِ ایزدی ہونا ایک مکمل حقیقت ہے ——— جب اوّل و آخر کی چیز قبول ہوگی تو بیچ کی چیز کیسے رد کی جا سکتی ہے ——— سبحان اللہ ———

بہرکیف ذکر تھا تقویۃ الایمان کا ——— بات کہاں سے کہاں پہنچی ———

تقویۃ الایمان میں قرآن کریم کی آیات کے غلط انطباق سے کفر و شرک کا جو معیار قائم کیا گیا ہے اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو مولوی اسمٰعیل کے معاصرین اور ان سے قبل عالم اسلام کے کروڑوں مسلمان کافر و مشرک ٹھہرتے ہیں حتیٰ کہ زمانہ حال میں عالم اسلام کے مسلمانوں کی اکثریت کافر و مشرک قرار پاتی ہے: اس طرح کوئی مسلمان حکومت: اپنے ہاں مسلم اکثریت کا دعوے نہیں کر سکتی ——— اس لئے مولوی اسمٰعیل کے خیالات و افکار کو آسانی سے قبول کرنا سخت خطرناک ہوگا، مناسب یہ ہوگا کہ ان کو نقد و نظر کی بھٹی میں پکا کر اچھی طرح دیکھ لیا جائے اور کھوٹا دکھرا الگ کر لیا جائے۔

تقویۃ الایمان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی جمود کے قائل ہیں؛ حرکت کے نہیں ——— زندگی اور فکر زندگی منازل ارتقاء سے گزرتی ہے۔ اور اسلام کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس نے زندگی کے فطری عمل کو نظر انداز نہیں کیا ——— وہ ان معنوں میں حرکی ہے کہ حرکت و عمل کا اس نے پورا پورا خیال رکھا ہے ——— اور ان معنی میں جامد ہے کہ اس کے اصول و ضوابط میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ——— سب کے سب اپنی جگہ اٹل ہیں ——— وہ جامد ہوتے ہوئے جانِ حرکت ہے ——— یہی اس کا

لہ بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے لوگوں کو جو کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں "شرار خلق اللہ" فرمایا ہے۔ (بخاری شریف، مطبوعہ احمدی، ص ۱۰۲۴)

مسعود

اعجاز ہے اور یہی اس کا امتیاز ہے ـــــــ اسلامی فکر و عقیدے پر جو قلم اٹھاتا ہے اس کو اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا پڑے گا ورنہ وہ خود بھی راستہ سے ہٹ جائے گا اور دوسروں کو بھی ہٹا دے گا۔

تقویۃ الایمان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تقویۃ الایمان نے اپنے مزعومات کو ثابت کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی ہے ـــــــ اس لئے یہ ایک وکیل کی تصنیف تو کہی جا سکتی ہے، ایک مُنصف و مصلح اور رہبر کی تصنیف قرار نہیں دی جا سکتی ـــــــ عدل کا تقاضا ہے کہ دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھا جائے اور دونوں طرف کے دلائل پر نظر رکھی جاتے۔ البتہ وکالت کا تقاضا یہ ہے کہ صرف ایک سمت نظر رکھی جائے اور دوسری سمت کو قطعاً نظر انداز کر دیا جائے بلکہ کوشش یہ کی جائے کہ ایسے دلائل و براہین فراہم کیے جائیں جو دوسری سمت کو ضعیف سے ضعیف تر کر دے ـــــــ تقویۃ الایمان کا یہی انداز ہے ـــــــ اپنی پسند کی آیات و احادیث انتخاب کر لینا اور محبوبان خدا کو بے کس و بے بس ظاہر کرنا ایک مسلمان مصلح و محقق کو زیب نہیں دیتا بلکہ یہ تو ایک غیر مسلم محقق کے لیے بھی باعث شرم و ندامت ہے ـــــــ

مناسب یہ تھا کہ مولوی اسمٰعیل تقویۃ الایمان میں اُن آیات و احادیث کو بھی زیر بحث لاتے جو اُن کے مزعومات کے خلاف تھیں، یہ توقع اس لئے بجا ہے کہ مولوی اسمٰعیل معمولی عالم نہ تھے۔ وُہ بالکل باخبر تھے مگر اس کے باوجود اُنھوں نے افسوسناک راہ عمل اختیار کی، اور حقائق کو چھپایا۔

تاریخ کی بنیاد دیانت داری پر ہے ـــــــ جو اپنے پسند کے موافق کے بیانات قبول کرتا ہے اور اپنی پسند کے خلاف بیانات رد کرتا ہے وُہ نہ مصلح ہے اور نہ محقق ـــــــ یاد آیا بقول حافظ محمد یوسف محقق پاکستانی علیہ الرحمہ (ریکارڈ کیپر، ریکارڈ آفس لائبریری، جے پور) جب ہندوستان کا مشہور مورخ پنڈت جادو ناتھ سرکار، اورنگ زیب عالمگیر پر مواد کی فراہمی کے سلسلے میں سنٹرل ریکارڈ آفس لائبریری (جے پور) پہنچا تو اس کو عہد عالمگیری سے متعلق ایسا مستند قلمی مواد دکھایا گیا جس سے اورنگ زیب عالمگیر کے اچھے پہلوؤں پر روشنی پڑتی تھی مگر اس نے اس نے قبول نہ کیا کہ اُس کو اورنگ زیب کی سیرت مسخ کر کے دُنیا کے سامنے پیش کرنی تھی۔

تقویۃ الایمان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی اسماعیل نے انبیاء و صلحاء کے حق میں یہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ جو انصاف پسند طبائع کے لیئے نہایت ہی تکلیف دہ بات ہے ـــــ جب پسند ہی بنیاد ٹھہری تو پسند کا حال تو ڈانواں ڈول ہے۔ کبھی ایک چیز ایک وقت خاص میں اچھی معلوم ہوتی ہے مگر دوسرے وقت بُری لگنے لگتی ہے ـــــ کچھ یہی حال تقویۃ الایمان اور اس کے مؤیدین و متبعین کا ہے ـــــ وہ باتیں جو انبیاء علیہم السلام اور صلحائے اُمت کے لیئے اچھی نہیں معلوم ہوتیں، وہ اپنے اُستادوں اور شیوخ کے لیئے اچھی لگنے لگتی ہیں ـــــ یا جو باتیں دُوسروں کے کرنے سے اچھی نہیں معلوم ہوتیں، وہ خود کرنے سے اچھی ہو جاتی ہیں ـــــ یہ ایک دلچسپ مطالعہ ہے ـــــ راقم کے سامنے ایسے بہت سے شواہد و نظائر ہیں ـــــ صاحبِ تقویۃ الایمان کے نزدیک انبیاء و صلحاء سب بے بس ہیں ـــــ اُن کو ذرہ برابر اختیار نہیں ـــــ مگر تقویۃ الایمان کے اس اڈیشن میں جو ہمارے سامنے ہے، جامع و مرتب مولانا محمد عبدالعزیز صاحب نے مولوی اسماعیل کے قدرت و اختیار کا اِس طرح ذکر فرمایا ہے :-

> نیند میں اتنا قابو پا لیا تھا کہ جب چاہیں سو جائیں اور جب چاہیں جاگ اُٹھیں۔ [۱]

حالانکہ قرآنی آیات بتا رہی ہیں کہ اختیار تو خُدا کو ہے کہ جب چاہے سُلا دے، جب چاہے اُٹھائے اور جب چاہے سوتے سوتے اپنے پاس بُلا لے۔

---

[۱] اسماعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان مطبوعہ لاہور، ص ۹

عباراتِ تقویۃُ الایمان

اب ہم اُن عبارات وکلمات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو تقویۃ الایمان میں آج بھی موجود ہیں اور جس پر علمائے اسلام کی ایک کثیر جماعت معترض ہے۔ یہاں ہم چیدہ چیدہ صرف ۱۶ عبارات نقل کرتے ہیں ـــــــ علمائے اسلام کا اعتراض صحیح ہے یا یہ محض ایک فتنہ انگیزی ہے جس کا داعیہ نفسِ امّارہ ہے۔ اس کا فیصلہ مندرجہ ذیل حقائق وشواہد کی روشنی میں بخوبی کیا جا سکتا ہے ـــــــ تقویۃ الایمان کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:۔

پہلی عبارت:۔

جس نے اللہ کا حق اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو دے دیا، اس نے بڑے سے بڑے کا حق ذلیل سے ذلیل شخص کو دے دیا کیونکہ خدا سب سے بڑا ہے اور خدا کے مقابلے میں اس کی مخلوق کی غلامانہ حیثیت ہے، جیسے کوئی تاجِ شاہی ایک چمار کے سر پر رکھ دے۔[1]

دُوسری عبارت:۔

جب ہمارا خالق اللہ ہے تو ہمیں اپنے تمام مشکل اوقات میں اُسی کو پکارنا لائق ہے، کسی اور سے ہمیں کیا واسطہ؟ جیسے کوئی کسی بادشاہ کا غلام ہو گیا تو وہ اپنی ضرورت اپنے بادشاہ ہی کے پاس لے جائے گا اُسے دُوسرے بادشاہوں سے کیا واسطہ؟ کسی بھنگی چمار کا تو ذکر ہی کیا ہے؟[2]

---

[1] اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبوعہ لاہور، ص ۲۳

[2] اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبوعہ لاہور، ص ۲۸

تیسری عبارت :-

یقین مانو ہر شخص خواہ وہ بڑے سے بڑا انسان ہو یا مقرب ترین فرشتہ،
اُس کی حیثیت شانِ الوہیت کے مقابلے پر ایک چمار کی حیثیت سے
بھی زیادہ ذلیل ہے۔ [1]

چوتھی عبارت :-

تمام انبیاء و اولیاء اس کے سامنے ایک ذرّے سے بھی کم تر ہیں۔ [2]

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی اسمٰعیل کے نزدیک کسی بھی حالت میں غیر اللہ سے استعانت جائز نہیں۔ نیز یہ کہ انبیاء علیہم السّلام اور صلحائے اُمت شانِ الوہیت کے سامنے ذرّے، بھنگی اور چمار سے زیادہ ذلیل ہیں۔ (معاذ اللہ)

جہاں تک غیر اللہ سے استعانت کا تعلق ہے انبیاء تو انبیاء غیر انبیاء سے بھی استعانت کا حدیث شریف میں حکم ہے مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے کہ کوئی جنگل میں راستہ بھول جائے۔ اور کوئی رہبر نہ ملے تو یہ کہے :-

یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ ! [3]

اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو!

اللہ کے ایسے بندے موجود ہیں جو نظر نہیں آتے مگر پکارنے پر بھولے بھٹکوں کو راستہ بتلاتے ہیں۔

موٹی سی بات ہے جو بچوں کی سمجھ میں بھی آسکتی ہے ——— کسی کو اللہ سمجھ کر مانگنا تو

---

[1] اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبوعہ لاہور، ص ۴۳

[2] اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبوعہ لاہور، ص ۹۶

[3] شمس الدین محمد بن محمد بن یوسف الجزری: حصنِ حصین، مصر، ص ۴۲

بات ہے اور "اللہ کا بندہ" سمجھ کر مانگنا اور بات ہے ــــــــ مانگنے، مانگنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے ــــــــ مگر ہوا یہ کہ وہ ساری آیات جو اللہ سمجھ کر مانگنے کے متعلق تھیں اور جن کا تعلق سراسر کفار و مشرکین سے تھا اُن کو مسلمانوں پر چسپاں کر دیا گیا جو محبوبانِ خدا سے اللہ کا مقرب بندہ سمجھ کر مانگا کرتے تھے، اس طرح اچھے خاصے مسلمانوں کو کفار و مشرکین کی فہرست میں شامل کر کے اُن کا قتل عام کیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ــــــــ! حقیقت میں رُوئے زمین پر کوئی مُسلمان ایسا نہیں جو اللہ کے بندوں سے اللہ سمجھ کر مانگتا ہو ــــــــ اور بغیر عطائے ربانی کے کسی کو صاحبِ اختیار و اقتدار تسلیم کرتا ہو۔

مذکورہ اقتباسات میں مولوی اسمٰعیل نے انبیاء و صلحاء خصوصاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دبے لفظوں میں ذرّہ، بھنگی اور چمار سے زیادہ اذیت ناک الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جن کو لکھتے ہوئے بھی قلم لرز رہا ہے ــــــــ چمار اور بھنگی ہندوؤں کی نیچ قومیں ہیں۔ اس لیے محبوبانِ خدا کو بدترین کفار و مشرکین اور مغضوبین سے تشبیہ دینا بلکہ ان سے بدتر کہنا کہاں تک دُرست ہے؟ ــــــــ عقلِ سلیم جواب دے ــــــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خانہ کعبہ میں بنی ہوئی تصاویر مٹانے کا حکم دیا مگر حضرت مریم اور حضرت عیسٰی علیہما السّلام کی تصاویر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک رکھ لیا۔ باقی تصاویر مٹا دی گئیں[1] اور تصویریں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی سے مٹائیں اور اُن کی جگہ زعفران مَل دی[2] کہ اس جگہ کو حضراتِ قدسیہ سے ایک قسم کی نسبت تو تھی ورنہ زعفران لگانے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نسبتوں کا اتنا خیال فرمایا۔ مگر مولوی اسمٰعیل نے انبیاء علیہم السّلام کی ذواتِ عالیہ کو جن کی جعلی تصاویر کا محض نسبت کی وجہ سے

---

[1] علی بن برہان الدین الحلبی: سیرتِ حلبیہ، جلد دوم، مطبوعہ بیروت، ص ۸۷

[2] ابی الولید محمد بن عبداللہ الازرقی: اخبارِ مکہ، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۳۵۲ھ، جلد دوم، ص ۱۲۰-۱۲۱،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا خیال فرمایا، بھنگی اور چمار سے بھی بدتر لکھا ہے ——— جھوٹی تصاویر کو نسبت بھی سچے انبیاء اور ملائکہ سے تو ان کا اتنا لحاظ رکھا گیا ——— جن سچے انبیاء کو سچے خدا سے نسبت ہے اُن کا پاس ولحاظ نہ کرنا خلاف عقل بھی ہے، خلاف ادب بھی ——— اور خلاف قرآن وحدیث بھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھئے کہ اُنہوں نے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

واللہ لاعلم انک حجر لا تضر ولا تنفع ولولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استلمک ما استلمتک فاستلمہ

(ترجمہ) بخدا میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا ——— پھر آپ نے بوسہ دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے بوسہ کی لذت حاصل کی اور صاف صاف فرما دیا کہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم نے اِس پتھر کو بوسہ کے قابل بنا دیا ہے ———

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کے سلسلے میں بہت سی آیات واحادیث ہیں، جن میں بہت سی پچھلے اوراق میں ذکر کر دی گئیں اور بہت سی آیات واحادیث آگے آئیں گی۔

صاحب تقویۃ الایمان نے تو انبیاء وصلحاء کو ارذل ترین مخلوق میں شمار کیا ہے مگر خود حق تبارک و تعالیٰ ایسی مخلوق سے اُن کو ممتاز فرما رہا ہے ——— قرآن کریم میں جہاں مشرکین عرب کی بت پرستی اور بتوں سے التفات کا ذکر ہے تو وہاں بتوں کے مقابلے میں اپنے محبوبوں کے مقام کو تمثیلی انداز میں یوں بیان فرمایا ہے:۔

لہ بخاری شریف: کتاب المناسک، باب ۱۰۱۶

پہلی تمثیل :۔

"ایک غلام ہے جو بالکل دُوسروں کے اختیار میں ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا ____ اور ایک ایسا شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے بہت سا صاف ستھرا مال عطا فرمایا ہے اور وُہ اُس کو پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتا ہے ____ تو کیا یہ دونوں شخص برابر ہیں ____ الحمد للہ ____ لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے"۔ [1]

دُوسری تمثیل :۔

"دو آدمی ہیں، ایک ان میں سے گونگا اور دُوسروں کی مِلک ہے ____ بے اختیار و ناتواں ____ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور اپنے مالک کو دو بھر ہو رہا ہے، جہاں اُسے بھیجتا ہے کبھی بھلائی نہیں لاتا ____ کیا ایسا گونگا، بہرا اور وُہ شخص جو سنتا، بولتا اور لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود سیدھے رستے پر چل رہا ہے دونوں برابر ہیں؟" [2]

پانچویں عبارت :۔

ربیع انصاریہ کی شادی کے موقع پر آپ ان کے پاس آ بیٹھے ____ بچوں نے گانے میں یہ بھی کہہ دیا کہ ہمارا نبی کل کی بات جانتا ہے۔

(وفینا نبیا یعلم ما فی غد)

آپ نے اسے منع کیا اور فرمایا یہ بات نہ کہو معلوم ہوا کہ کسی بڑے سے

---

[1] القرآن الکریم، سُورۃ النحل، ۷۵

[2] القرآن الکریم، سُورۃ النحل، ۷۶

بڑے انسان کے بارے میں یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وُہ غیب داں ہے[1]

لیکن یہ بات خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے کی کسی کو جرأت ہے جو بعد نمازِ ظہر منبرِ مسجد پہ تشریف فرما ہو کر آثارِ قیامت کے بارے میں اخبارِ غیبیہ کا اعلان فرما رہے ہیں۔ اور پھر یہ ارشاد ہو رہا ہے:

من احب ان یسئلنی عن شئ فلیسألنی عنہ فواللہ لا یسئلونی عن شئ الا اخبرتکم بہ۔[2]

(ترجمہ) جو شخص مجھ سے کچھ پُوچھنا پسند کرتا ہے وُہ اس کے بارے میں مجھ سے پُوچھ لے کہ خُدا کی قسم تم مجھ سے جو بات پُوچھو گے مَیں تم کو بتاؤں گا۔

اور کیا یہ بات مدّاحِ رسُول جلیل القدر صحابی حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی کسی کو کہنے کی جرأت ہے جنہوں نے برملا فرمایا:-

نبی یری مالا یری الناس حولہ ویتلو کتاب اللہ فی کل مشھد
فان قال فی یوم مقالۃ غائب فتصدیقھا فی ضحوۃ الیوم او غد[3]

(ترجمہ) ایسے نبی ہیں کہ وُہ دیکھتے ہیں جو دُوسروں کو نظر نہیں آتا، ہر جلوہ گاہ میں کتاب اللہ پڑھتے ہیں۔ اگر کسی دن کوئی غیب کی بات بتاتے ہیں تو اُسی دن یا دُوسرے دن اُس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

قطع نظر اس روشن حقیقت کے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو غیب داں سمجھتے تھے اگر مندرجہ بالا حدیث شریف پر غور کیا جائے تو اس سے مندرجہ ذیل باتیں مستنبط ہوتی ہیں:-

(۱) بچّوں تک وہی بات پہنچتی ہے جو گھر گھر عام ہو چکی ہو ——— بچّوں کو کیا پڑی کہ خواہ مخواہ

---

[1] اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبوعہ لاہور، ص ۴۴-۴۵

[2] جلال الدین سیوطی: خصائص الکبریٰ، جلد دوم، فیصل آباد، ص ۱۰۷

[3] حسّان بن ثابت: دیوانِ حسّان، مطبوعہ بیروت، ص ۱۴۴

اپنے دل سے ایک ایسی بات گھڑ لیں جو اُنھوں نے اپنے گھر میں نہ سُنی اور وُہ بھی عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بچے، جن کی تربیت آغوشِ صداقت میں ہوتی تھی ——— بچوں کے یہ کہنے سے کہ "وفینا نبیا یعلم مافی غد" ——— یہ ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم میں یہ بات زبان زدِ خاص وعام کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلّم غیب کی باتیں جانتے ہیں۔

(ب) حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تمہارے سامنے کوئی تمہاری تعریف کرے تو اس کے چہرے پر خاک ڈال دو ——— جب حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلّم دُوسروں کو یہ ہدایت فرماتے ہیں تو خود اپنی تعریف کیسے سُن سکتے تھے، وُہ سراپا عجز و انکسار تھے، انکسار کی حد ہے کہ صحابۂ کرام کو اپنے لیے اُٹھنے نہ دیتے تھے ——— ایسی صُورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا بچوں کو منع کرنا آپ کے عجز و انکسار پر محمُول کیا جائے گا نہ کہ آپ کی بے خبری پر۔ (معاذ اللہ)

(ج) اگر واقعی آپ غیب کی باتیں نہ جانتے تھے اور یہ صفت خاص اللہ تعالیٰ کے لیے مختص تھی تو غیرِ خدا میں اِس کا اقرار و اثبات کفر و شرک تھا اور اس کے لیے قائلین کی فہمائش ضروری تھی مگر حدیث شریف سے صرف اِتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "وُہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں" ——— اور کوئی نصیحت و فہمائش نہ فرمائی۔

(د) شادی بیاہ کے موقعوں پر گانے وغیرہ کا ایک ماحول ہوتا ہے، حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے ارشادِ گرامی سے ماحول کی شگفتگی اور بے تکلّفی کو برقرار رکھا اور اس کی پُوری پُوری رعایت فرمائی۔ ہر کلام کا ایک محل ہوتا ہے ——— آپ شادی کی محفل کو شادی کی محفل ہی رکھنا چاہتے تھے، نعت کی مجلس نہیں۔ یہ آپ کا اِنکسار تھا۔

چھٹی عبارت :-

سب کاموں کے مختار کا نام "اللہ" ہے اور جس کا نام مُحمّدؐ "یا علی" ہے اُس کو کسی بات کا اختیار نہیں۔ [1]

---

[1] اسماعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبوعہ لاہور، ص ۵۱

اللہ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے اختیار نہیں کیا مگر اپنا دل چاہا تو بیک جنبش قلم بے اختیار بنا دیا اور اس طرح نہایت بے باکی سے خدا کے اختیار کو بھی اپنے اختیار میں لے لیا ـــــ جو اندازِ گفتار مولوی اسمٰعیل نے اختیار کیا ہے یہ انداز تو قرآنِ کریم میں بھی نظر نہیں آتا۔

یہاں یہ امر باعث تعجب ہوگا کہ مولوی اسمٰعیل جس اختیار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہ میں ثابت نہیں مانتے وُہی اختیار جامع تقویۃ الایمان، مولوی اسمٰعیل میں ثابت کر رہے ہیں، جس کا حوالہ اُوپر دیا جا چکا ہے ـــــ خود قرآن کہتا ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے سُلا دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے اُٹھا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سوتے سوتے اُٹھا لیتا ہے ـــــ تو سونا اور سونے کے بعد جاگنا تو اللہ کے اختیار میں ہے، مگر مولوی اسمٰعیل میں اس اختیار کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس طرح وُہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہ، سے اختیار و اقتدار میں سبقت لے گئے۔ (معاذ اللہ)

اس اقتباس میں ایک اور بات نہایت افسوس ناک نظر آتی ہے کہ نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ درُود و سلام سے اجتناب کیا گیا۔ کم از کم یہ بات ایک مسلمان عالم سے متوقع نہیں۔ بلکہ یہ حقیقت مزید حیرت ناک ہے کہ پیشِ نظر پوری تقویۃ الایمان اور تذکیر الاخوان میں نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ درُود و سلام نہیں حتیٰ کہ اگر حدیث میں ہے تو ترجمہ میں نہیں اور ہے تو مجمل و مختصر، صرف اشارہ ـــــ نامِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ یہ تنگ دلی ایک معمولی مسلمان کو بھی زیب نہیں دیتی چہ جائیکہ وُہ حضرات جو مُرشد و مصلح بن کر سامنے آئیں۔

نہ معلوم یہ کاتب کی غلطی ہے یا مصنّف کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار و اقتدار کا اندازہ تو بہت سی آیات و احادیث سے ہوتا ہے ـــــ صرف یہی ایک آیت کافی ہے جو بتا رہی ہے کہ نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ اختیار و اقتدار ہیں بلکہ طلب کرنے والے آپ کے وسیلے سے اختیار و اقتدار طلب کیا کرتے تھے ـــــ غور فرمائیں :-

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا۔ [1]

(ترجمہ) آپ کی تشریف آوری سے قبل (یہودی) آپ کے وسیلے سے کافروں پر فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔

اب احادیث کی روشنی میں اختیار و اقتدار کا منظر ملاحظہ فرمائیں:۔

(الف) اعطیت الکنزین الاحمر والابیض [2]

(ترجمہ) سرخ و سپید خزانے مجھے عطا کر دیئے گئے ہیں۔

(ب) لو شئت لسارت معی جبال الذھب [3]

(ترجمہ) اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے۔

الغرض بہت سی آیات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور نبیوں کو بے اختیار نہیں بنایا ——— نبوت و رسالت خود اختیار و اقتدار کی غماز ہے جس طرح حکومت و سیاست میں خلافت۔

ساتویں عبارت

معلوم ہوا کہ انسان کتنا ہی ڈھیٹ بن جائے؛ کتنے ہی گناہوں میں ڈوب جائے، سرتاپا بےحیا بن جائے؛ پرایا مال ڈکارنے میں عار نہ سمجھے اور برائی اور بھلائی میں تمیز نہ کرے مگر پھر بھی شرک کرنے سے اور غیر اللہ کو ماننے سے بہتر ہے۔ [4]

---

[1] القرآن الحکیم، سورۃ البقرہ، ۸۹

[2] محمد ابو عبداللہ ولی الدین: مشکوٰۃ المصابیح، ص ۵۱۲

[3]

[4] اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبوعہ لاہور، ص ۵۶

اس اقتباس میں مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنے گنہ گار پیروؤں کی خوب مدافعت فرمائی ہے اور گنہ گاروں کی تقریباً ساری اقسام گنا دی ہیں، یقیناً یہ اقتباس ان کے متبعین کے لئے وجہِ سکون و طمانیت ہوگا ـــــ غیر اللہ سے مدد لینے والا اور اس حدیث پاک پر عمل کرنے والا یاعباد اللہ اعینونی ایسا مشرک ہے، زمانے بھر کے گنہ گار جس کے پاسنگ بھی نہیں ـــــ پھر اس اقتباس میں غیر اللہ سے استعانت کا ذکر نہیں بلکہ "ماننے" کا ذکر ہے اور غیر اللہ کو مانے بغیر انسان مسلمان ہوتا نہیں ـــــ اور یہاں فرما رہے ہیں کہ ماننے سے مشرک ہوتا ہے ـــــ خدا جانے روا روی میں ایسی بات کیوں لکھ دی جو اُن کے اپنے عقیدے میں داخل نہیں یعنی رسولوں اور فرشتوں کو ماننا جو غیر اللہ ہی ہیں۔

یہاں جملۂ معترضہ کے طور پر ایک واقعہ نقل کرتا چلوں ـــــ مولوی اسمٰعیل کے مویدین اور متبعین کی مساجد میں خطبۂ جمعہ سے قبل اور خطبۂ جمعہ میں خطباء وائمہ کا موضوع کفر و شرک ہی رہتا ہے ـــــ ضلع تھرپارکر (سندھ) میں شہر مٹھی میں راقم نے تین سال گزارے ـــــ وہاں جامع مسجد میں خطیب صاحب جمعہ بہ جمعہ مسلسل کفر و شرک پر بولتے رہے، جب تیسرے جمعہ بھی یہی تقریر فرمائی تو نمازِ جمعہ کے بعد خلوت و تنہائی میں راقم نے دریافت کیا کہ مسجد میں نمازی مسلمان تھے یا کافر و مشرک؟ ـــــ اُنھوں نے فرمایا کہ "مسلمان"! ـــــ راقم نے عرض کیا مگر مسلسل تین جمعوں سے تو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ آپ مجمع کفار و مشرکین میں تقریر فرما رہے ہیں ـــــ اس پر وہ نادم ہوئے اور آئندہ جمعہ سے مغضوبوں کے بجائے محبوبوں کا ذکر کرنے لگے۔ قرآن میں کفار و مشرکین کا اس لئے ذکر ہے کہ جب قرآن نازل ہو رہا تھا تو اس کے اولین مخاطب یہی لوگ تھے، اب ان آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرنا کھلی خیانت اور دیدہ دلیری ہے۔

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار و اقتدار کی بات چل نکلی تو یہ عرض کرتا چلوں کہ جب [illegible] ہے

یہ گواہی دے رہے ہیں کہ جب ان کے اِختیار کا یہ عالم ہے تو اُس کے اِختیار کا کیا عالم ہو گا جو مختارِ مطلق ہے! ـــــــ وُہ مظہرِ صفاتِ الٰہیہ ہیں۔ ان کی ذاتِ قدسی ہر صِفت کی جلوہ گاہ ہے ـــــــ صفات کا اِقرار، ذات کے اقرار کے لئے لازمی ہے ـــــــ جو صفات سے اِنکار کرتا ہے اُس کی رسائی ذات تک نہیں ہو سکتی ـــــــ جب یہ کہا جائے کہ اِقتدارِ اعلیٰ صدرِ مملکت کے پاس ہے تو اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مملکت کے سارے وزیر و امیر بے دست و پا ہیں۔ بلکہ اقتدارِ اعلیٰ کا ایک مرکز پر مرکوز ہونا اِس بات کی روشن علامت ہے کہ مملکت میں صاحبِ اِختیار و اِقتدار حضرات بھی موجود ہیں، یہاں ـــــــ طوائف الملوکی نہیں ـــــــ ایک نظامِ حکومت ہے ـــــــ جو حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اِختیاری کی بات کرتے ہیں اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی آیات و احادیث تلاش کرتے ہیں، اُن کو اپنے عمل پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ وُہ کیا کر رہے ہیں؟ ـــــــ ایک مسلمان کو یہی کرنا چاہیئے؟ ـــــــ کیا خاروں میں گُل تلاش کیے جاتے ہیں یا گُلوں میں خار؟

ابُو داؤد شریف میں یہ حدیث ہے کہ ایک دیہاتی صحابی دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہُوئے اور دُعا کی درخواست کرتے ہُوئے عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کو شفیع بنانا چاہتے ہیں ـــــــ آپ نے ازراہِ انکسار ارشاد فرمایا:۔

"اللہ پاک کسی سے سفارش نہیں کراتا۔" [1]

اِس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے رہے۔ اور مجمعِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) پر ایک رُوحانی کیفیت طاری ہو گئی ـــــــ مگر مولوی اسمٰعیل نے اِس کیفیت کو نہایت مہیب شکل میں پیش کیا ہے۔ وُہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] اسمٰعیل دہلوی، تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبوعہ لاہور، ص ۶۷

آٹھویں عبارت

سُبحان اللہ! اور تمام انسانوں میں سے افضل انسان، محبوبِ خدا، احمدِ مجتبیٰ محمد رسُول صلعم (کذا) کی تو یہ حالت ہے کہ ایک گنوار کے منہ سے ایک نامعقول بات نکل گئی[1] تو آپ کے دہشت کے مارے ہوش اُڑ گئے۔[2]

اس موقع پر مولوی اسمٰعیل خلافِ معمول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ادب و احترام سے پیش آتے ہیں اور یہ غالباً اس لیئے کہ جو تلخ بات وُہ کہنا چاہتے ہیں، نہ کھٹکے ——— مگر حسبِ معمول دُرود و سلام بھول گئے اور اشارہ پر ہی اکتفا کیا، بہرکیف اس انداز بیان کو علمِ معانی و بیان میں تاکید الذم بما یشبہ المدح کہہ سکتے ہیں یعنی مذمت کی تاکید ایسے الفاظ کے ذریعہ کرنا جو بظاہر مدح معلوم ہوتے ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ ظاہر میں شفیع بنانا مولوی اسمٰعیل کو اچھا معلوم نہیں ہوتا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف عالمِ ظاہر بلکہ عالمِ آخرت میں بھی گنہ گاروں کے شفیع ہیں ——— یہ ڈھکی چھپی بات نہیں، بالکل ظاہر و باہر ہے ——— عالمِ ظاہر میں شفاعت پر تو یہی ایک آیت کافی ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ

---

[1] معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع بنانا ایک "نامعقول بات" ہے۔ خود قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ (بنی اسرائیل: ۷۹) یہاں مقامِ محمود سے مراد شفاعت ہی ہے۔ اس کے علاوہ آیتِ مذکورہ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ الخ اسی حقیقت پر دلالت کرتی ہے۔ مسعود

[2] اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان مطبوعہ لاہور، ص ۴۷

الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا [1]

(ترجمہ) اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول اُن کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

ایک حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عظمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

اذکان یوم القیٰمۃ کنت امام النبیین وخطیبھم وشفاعتھم غیر فخر۔ [2]

(ترجمہ) قیامت کے دن میں انبیاء کا امام اور خطیب اور اُن کا صاحبِ شفاعت ہوں گا اور یہ بات فخر سے نہیں کہتا۔

ان تمام حقائق کے باوجود مولوی اسمٰعیل نے اپنے مطلب کی بات نکالی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کام کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور شفیع بنانا "نامعقول بات" ہے۔ (معاذ اللہ) ——— پھر اگر نامعقول بات ہے تو ہوش اُس کے اُڑنے چاہئیں جو نامعقول بات کہے ——— سُننے والے کے ہوش اُڑنا عجیب بات ہے اور وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوش ——— قلبِ مسلم یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ الفاظ استعمال کرنا کہ:-

"دہشت کے مارے ہوش اُڑ گئے"

انتہا درجہ کی بے باکی اور گستاخی نہیں ——— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوش تو اُس وقت بھی قائم رہیں گے جب قیامت کی دہشت سے سب کے دل دہل رہے ہوں گے اور سب حیران و

---

[1] القرآن الحکیم، سورۃ النساء ۶۴

[2] (الف) امام محمد بن عیسیٰ: ترمذی شریف، جلد دوم، ص ۲۰۱

(ب) جلال الدین سیوطی: خصائص الکبریٰ، جلد دوم، فیصل آباد، ص ۲۲۴

پریشان ہوں گے ـــــــ آپ ہی دربارِ الٰہی میں سب سے پہلے حاضر ہوں گے۔

قرآنِ حکیم میں جہاں حضرت موسٰی علیہ السّلام کے متعلق یہ بتایا جارہا ہے کہ جب پہاڑ پر تجلیاں جلوہ ریز ہوئیں تو اس کی تاب نہ لاکر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسٰی علیہ السّلام بے ہوش ہو گئے ؎

موسٰی زہوش رفت بیک پرتوِ صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی

اسی قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیئے فرمایا جارہا ہے کہ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی[۱] آپ نے پروردگار کی بڑی بڑی تجلّیاں اور نشانیاں دیکھیں مگر مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی[۲] بے ہوش ہونا تو بہت دُور کی بات ہے آپ نے تو آنکھ بھی نہ جھپکی اور نظر بھی نہ بہکی ـــــــ

حیرت کی بات یہ ہے کہ جس صفحے پر مولوی اسمٰعیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیئے ناشائستہ کلمات لکھے ہیں اسی صفحے پر یہ شعر بھی لکھا ہے ؎

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

اللہ اللہ! توفیقِ ادب کی التجا ہے اور بے ادبی ہوتی جارہی ہے، سچ ہے ؏

بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

نویں عبارت

ایک حدیث شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:-

---

[۱] القرآن الحکیم، سورۃ النجم، ۱۸

[۲] القرآن الحکیم، سورۃ النجم، ۱۷

یوں نہ کہو جو اللہ نے چاہا اور محمد نے چاہا بلکہ یوں کہو جس کو اللہ وحدہٗ لاشریک نے چاہا۔ [1]

یہ کلمات نا تمام نقل کیے۔ اصل الفاظ یہ ہیں :-

لاتقولوا ماشاء اللّٰہ وشاء فلان ولکن قولوا ماشآء اللّٰہ ثم شآء فلان۔ [2]

(ترجمہ) یہ نہ کہو جو اللہ نے چاہا اور فلاں نے چاہا بلکہ یوں کہو جو اللہ نے چاہا پھر فلاں نے چاہا۔

اس حدیث شریف میں حضور تو حضور، غیر کی چاہت سے بھی اعراض نہیں کیا گیا مگر چاہنے کا سلیقہ بتادیا۔ مگر مولوی اسمٰعیل دہلوی نے حدیث شریف کا وہ حصہ نقل کرکے جس سے ان کی مزعومہ بات ثابت ہوتی تھی یہ نتیجہ اخذ کیا:-

دسویں عبارت

یعنی شانِ الوہیت میں کسی مخلوق کو دخل نہیں، خواہ وہ کتنا ہی بڑا اور کیسا ہی مقرب کیوں نہ ہو مثلاً یوں نہ کہا جائے کہ اللہ اور رسول چاہے گا تو کام ہوجائے گا کیونکہ دنیا کا سارا کاروبار اللہ کے چاہنے سے ہوتا ہے، رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ [3]

تحویلِ قبلہ کا واقعہ رسول علیہ السلام کی چاہت کا ایک ادنیٰ معجزہ ہے۔ ایک چہرے کے پھرنے سے سارے عالم کے چہرے پھر گئے ——— یہ کوئی معمولی بات ہے؟ ———

---

[1] اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبوعہ لاہور، ص ۶۹

[2] قطب الدین خان: مظاہرِ حق شرح مشکوٰۃ شریف، جلد اوّل، لاہور، ص ۵۱۰

[3] اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبوعہ لاہور، ص ۶۹

تَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ[1]

(ترجمہ) ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف مُنہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اُس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے۔ ابھی اپنا مُنہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اس طرف کرو۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

اے زہے شانِ عبدیت تری ۔۔۔ تو جدھر ہے اُدھر خُدائی ہے

ایک دُوسری آیت میں اِس چاہت کی مزید تشریح کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ[2]

(ترجمہ و تفہیم) جس قبلے کی طرف تمہاری نگاہ کرم تھی ہم نے اُس کو اِس لیے قبلہ بنایا کہ یہ اعلانیہ ظاہر ہو جائے کہ کون تمہاری چاہت کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے تمہاری پیروی کرتا ہے اور کون اس چاہت کو ٹھکرا کر اُلٹے پاؤں پھرتا ہے۔

کیا خوب کہا ہے ؏

کعبہ کا کعبہ رُوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی چاہت کو جس نے ٹھکرایا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور وہ مردود ٹھہرا۔ اسی لیئے خلیفہ ہارون الرشید کے دستر خوان پر جب کدو پک کر آیا۔ ایک صاحب نے کہا کہ

---

[1] القرآن الحکیم، سورۃ البقرہ، ۱۴۴

[2] القرآن الحکیم، سورۃ البقرہ، ۱۴۳

"کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا۔" دوسرے صاحب نے کہا "لیکن مجھے پسند نہیں" ——— اس کا اتنا کہنا تھا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے سر قلم کرنے کے لیئے تلوار کھینچ لی اور جب تک اس نے توبہ نہ کر لی، اس کو نہ چھوڑا ——— محبت کے معاملے بہت نازک ہوتے ہیں۔ محبت جیسی کوئی چیز نازک نہیں ——— اسی لیئے کہا ہے ؎

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اِس کارگہِ شیشہ گری کا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت کی کیا بات، ارشاد ہوتا ہے:۔

لو شئت لاجری اللہ معی جبال الذھب والفضۃ ؎[1]

میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے۔

اللہ اکبر! چاہت کی یہ شان اور پھر بھی مولوی اسمٰعیل دہلوی یہ فرمائیں:۔

"رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔" ؎[2] (معاذ اللہ)

گیارھویں عبارت

مسند احمد کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اونٹ آیا اور اس نے آپ کو سجدہ کیا، یہ دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آرزوئے سجدہ کا اظہار کیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اپنے رب کی عبادت کرو۔ اپنے بھائی کی تعظیم کرو۔" ؎[1]

اس حدیث شریف سے مترشح ہوتا ہے کہ سجدہ رب تعالیٰ کے لیئے مخصوص ہے۔ البتہ بزرگوں کی عزت اور احترام لازم ہے ——— حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازراہِ انکسار فرمایا:

---

[1] جلال الدین سیوطی: خصائص الکبریٰ، جلد دوم، مطبوعہ فیصل آباد، ص ۱۹۵

[2] اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبوعہ لاہور، ص ۴۹

"اپنے بھائی کی تعظیم کرو۔"

مولوی اسمٰعیل نے حسبِ معمول ان منکسرانہ الفاظ کو حقیقت پر محمول کر کے جو نتیجہ نکالا وُہ یہ ہے :۔

بارھویں عبارت

یعنی تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، جو بہت بزرگ ہو وُہ بڑا بھائی ہے۔ اُس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرو، باقی سب کا مالک اللہ ہے۔ عبادت اسی کی کرنی چاہیئے۔ معلوم ہوا کہ جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں خواہ انبیاء ہوں، اولیاء ہوں، وُہ سب کے سب اللہ کے بے بس بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں مگر حق تعالیٰ نے انہیں بڑائی بخشی تو ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہوئے۔[1]

حدیث شریف میں صرف "بھائی" کا ذکر ہے۔ چھوٹے بڑے کا نہیں۔ مولوی اسمٰعیل نے لفظ "بھائی" کو حقیقت پر محمول کر کے اس کی تقسیم کی اور "چھوٹے بڑے بھائی" کا بزعمِ خود تعین کیا، ——— اس کے علاوہ حدیث شریف میں "بے بسی" کا کوئی ذکر نہیں لیکن چونکہ مولوی اسمٰعیل انبیاء و اولیاء کو بے بس دیکھنا چاہتے ہیں اس لیئے یہ بات اپنے دل سے نکال لی۔ مولوی اسمٰعیل کی تشریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ سے زیادہ "بڑے بھائی" کا درجہ دینے کے لیئے تیار ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ حالانکہ قرآنِ حکیم بھائی تو بجائے آپ کو باپ کہنے کی بھی ممانعت کر رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ[2]

---

[1] اسمٰعیل دہلوی، تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، ص ۱۰۔

[2] القرآن الحکیم، سورۃ الاحزاب / ۴۰

(ترجمہ) محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔

بلکہ اس سے بھی زیادہ :-

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ۱

(ترجمہ) یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔

جو رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم باپ سے زیادہ عزیز ہو اور جان سے زیادہ مالک و محبوب ہو اُس کو "بڑا بھائی" کہنا کس قدر جرأت و بے باکی کی بات ہے۔

تذکیر الاخوان مولوی اسمٰعیل سے منسوب کی جاتی ہے اس میں سورۃ الحجرات کی ایک آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

تیرھویں عبارت

یعنی طاقتور مسلمان "بڑا بھائی" اور کمزور مسلمان "چھوٹا بھائی" ہے۔ اور غیر مسلم بھائی ہے ہی نہیں۔ پھر بادشاہ ہو یا امیر، حاکم ہو یا وزیر، مولوی ہو یا مفتی، مشائخ ہو یا پیر اور امیر یا فقیر بھائی سے زیادہ کسی کی حقیقت نہیں جب مسلمان کے لئے یہ بات ہے تو کافروں کو تو گدھوں، کتوں یا چوڑے چماروں کی طرح سمجھنا چاہیئے۔ ۲

اس اقتباس سے تو یہ معلوم ہوا کہ انبیاء و صلحاء "بڑے بھائی" بھی نہیں بلکہ "چھوٹے بھائی" ہیں کیونکہ مولوی اسمٰعیل کے نزدیک وہ کمزور ہیں اور معاذ اللہ سب کے سب اللہ کے بے بس بندے "

---

۱ القرآن الحکیم، سورۃ الاحزاب، ۶

۲ اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان مطبوعہ لاہور، ص ۲۶۹

——— اگر ان اقتباسات پر زیادہ غور و فکر فرمائیں تو ا ذیل تلخ حقائق سامنے آتے ہیں۔
پچھلے بہت سے اقتباسات میں انبیاء و اولیاء کو اللہ کی شان کے آگے (معاذ اللہ) چمار ہی نہیں چمار سے زیادہ ذلیل کہہ آئے ہیں اور اب یہ کہہ رہے ہیں کہ کافروں کو چوڑے، چماروں کی طرح سمجھنا چاہیے، تو معاذ اللہ کفار و مشرکین، انبیاء و اولیاء سے ایک درجہ اوپر ہوئے۔ کیوں کہ کفار چمار کی طرح اور وہ معاذ اللہ چمار سے زیادہ ذلیل ——— اور بقول مولوی اسمٰعیل، کافر بھائی ہے ہی نہیں تو معاذ اللہ جو ان سے نیچے درجے پر ہوا وہ کیسے بھائی ہوا؟ ——— اس قسم کا اظہارِ خیال تو دورِ جدید کے کسی غیر مسلم نے بھی نہ کیا ——— ان کلمات کو سن کر غیر مسلموں کے سامنے ہماری نگاہیں جھک جاتی ہیں ——— افسوس صد افسوس یہ کیا لکھ دیا!

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ تو یہ فرماتے ہیں:-

ان اللہ فضل محمدا علی الانبیاء و علی اهل السماء۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام آسمان والوں اور کل نبیوں پر فضیلت دی۔

اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:-

انا اکرم الاولین والاٰخرین علی اللہ ولا فخر۔ [2]

میں اللہ کے نزدیک اولین و آخرین سے بہتر ہوں اور یہ بات فخر سے نہیں کہتا۔

اور قرآنِ حکیم نے جو آپ سے اُلفت و محبت کا معیار رکھا ہے، وہ ہرگز معاشرے کے کسی "بڑے بھائی" کے لئے نہیں رکھا جاتا، غور کرو، خوب غور کرو ——— ارشاد ہوتا ہے:-

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ الخ [3]

---

[1] محمد ابو عبد اللہ ولی الدین، مشکوۃ المصابیح: باب فضائل سید المرسلین فصل ثالث مطبوعہ دہلی

[2] ایضاً، ص ۵۱۴

[3] القرآن الحکیم، سورۃ التوبہ، ۲۴ (یہ آیت پیچھے آچکی ہے)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔ الخ

اور اس آیت کی تشریح و تفسیر مزید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے:۔

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین[1]

(ترجمہ) تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اور ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے کہ ایمان کی حلاوت اس کو ملے گی۔

من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما۔[2]

(ترجمہ) جس شخص کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول تمام ماسوا سے زیادہ محبوب ہو۔

یقیناً یہ کوئی عظیم شخصیت ہے جس سے محبت کے لئے اس قدر والہانہ اور جانثارانہ جذبے کی ضرورت ہے ——— ہاں یہ اتنی عظیم ہے جس کا تعارف خود خدا کرا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

ولقد خلقت الدنیا واھلھا لاعرفھم کرامتک ومنزلتک لولاک ماخلقت الدنیا۔[3]

(ترجمہ) میں نے دنیا اور مخلوقات دنیا اس لئے بنائی کہ میری بارگاہ میں جو تمہاری عزت و

---

[1] محمد بن اسمٰعیل بخاری: بخاری شریف، کتاب الایمان، باب ۸، حدیث ۱۴

[2] بخاری شریف، کتاب الایمان، باب ۱۴، حدیث ۲

[3] احمد زینی ابن دحلان مکی: السیرۃ النبویہ والآثار المحمدیہ، علی حاشیہ سیرت الحلبیہ، بیروت، ص ۷ (بروایت ابن عساکر)

منزلت ہے ان پر ظاہر کردوں، اگر تم نہ ہوتے تو میں دُنیا نہ بناتا۔

غور کرو، دُنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ــــــــ دار الجزاء کا دار و مدار دار العمل پر ہے جب دار العمل ہی نہیں تو دار الجزاء کیسا، اِس حدیث کا اب یہ ترجمہ ہوگا کہ اگر تم نہ ہوتے تو میں دُنیا و آخرت پیدا نہ کرتا۔ چنانچہ ایک دُوسری حدیث میں ہے:۔

لولا محمد ما خلقتك ولا ارضًا ولا سماءً۔ [1]

(ترجمہ) (اے آدم) اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو نہ میں تجھے پیدا کرتا اور نہ آسمان و زمین کو بناتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلالِ رسالت لیے ہُوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے ہیں:۔

ا۔ یا عمر أتدری من أنا؟ انا الذی بعثنی اللہ فی التوراۃ لموسیٰؑ وفی الانجیل لعیسیٰؑ وفی الزبور لداؤدؑ ولا فخر [2]

(ترجمہ) اے عمر تم جانتے ہو کہ میں کون ہُوں؟ ــــــــ میں وُہ ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے مُوسیٰؑ کے لیے تورات میں مبعوث فرمایا، عیسیٰؑ کے لیے انجیل میں اور داؤدؑ کے لیے زبُور میں مبعوث فرمایا ــــــــ اور اِس پر مجھے کوئی غرور نہیں۔

ب۔ یا عمر أتدری من أنا؟ أنا اسمی فی التوراۃ أحید وفی الانجیل البارقلیط وفی الزبور حمیاطا وفی صحف ابراھیم طاب طاب [3]

(ترجمہ) اے عمر! تم کو معلوم ہے کہ میں کون ہُوں؟ ــــــــ میں وُہ ہُوں

---

[1] احمد زینی الدحلان مکی: السیرۃ النبویۃ الآثار المحمدیۃ: علیٰ حاشیہ سیرت الحلبیہ، بیروت، ص ۵

[2،3] علی بن برہان الدین الحلبی: سیرتِ حلبیہ، مطبوعہ مصر، ص ۲۳۳

جس کا نام تورات میں "احید" ہے اور انجیل میں "بارقلیط" ہے، زبور میں "حمیاطا" ہے اور صحفِ ابراہیم میں "طاب طاب"۔

کیا ایسی عزت والے اور ایسی منزلت والے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے یہ خیال بھی کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہمارے "بڑے بھائی" کی طرح ہیں اور اللہ کے بے بس بندے ہے؟ ——————

ہرگز نہیں ہرگز نہیں ——————— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کا عالم اس آیتِ شریفہ سے ظاہر باہر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝ [1]

(ترجمہ) اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اللہ اور رسول کے دیئے پر راضی ہوتے اور کہتے خدا کافی ہے۔ اب ہمیں دے اللہ و رسول اپنے فضل سے، ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

مولوی اسمٰعیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور رب تعالیٰ کے درمیان جو حدِ فاصل کھینچی ہے خود رب تعالیٰ نے اس کو مٹا دیا اور اپنے ساتھ اپنے محبوب کا ذکر کر کے اس خیال کو باطل کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سامنے بے بس ہیں ——————— بلکہ اس کی معیتِ کاملہ میں مختار ہیں۔

چنانچہ بخاری شریف میں ہے:۔

انہ کان فقیرا فاغناہ اللہ ورسولہ۔ [2]

(ترجمہ) (ابن جمیل) فقیر تھا، اللہ اور اس کے رسول نے اس کو غنی کر دیا۔

---

[1] القرآن الحکیم، سورۃ التوبۃ، ۵۹

[2] محمد بن اسمٰعیل البخاری: صحیح البخاری، جلد اوّل۔ باب قول اللہ تعالیٰ وفی الرقاب والغارمین، مطبوعہ قصور، ص ۱۹۸

ڈ: بے بس کیسے ہو سکتا ہے جو دُوسروں کو بھی غنی بنا دے ـــــــــ ذرا غور تو کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "بڑا بھائی" کہنے میں مذہبی اور رُوحانی خطرات تو ہیں ہی مگر اس میں بہت سے نفسیاتی اور سیاسی خطرات بھی ہیں۔

ہر انقلاب برپا کرنے کے لئے کسی نہ کسی شخصیت سے ایسی جیسید گی اور پیوستگی ضروری ہے جس سے فِدا کاری اور جاں نثاری کے تمام عناصر موجود ہوں۔ اگر یہ والہانہ تعلق نہیں تو کوئی انقلاب برپا نہیں ہو سکتا ـــــــــ تاریخِ عالم پر نظر ڈالیے، آپ کو یہی کچھ دکھائی دے گا ـــــــــ گذشتہ نصف صدی میں ہندوستان، پاکستان، روس، چین، ویت نام وغیرہ میں ایسی شخصیتیں اُبھریں قوم نے جن سے اپنے فدا کارانہ تعلق کا مظاہرہ کیا اور انقلابات آئے ـــــــــ تو جب علاقائی انقلابات کے لئے قوم کا شخصیتوں سے ایسا والہانہ تعلق ضروری ہے تو غور کریں کہ جس ذاتِ قدسی نے سارے عالم کو متاثر کیا اور ایک عظیم انقلاب برپا کیا اُس سے کس کمال کی پیوستگی ضروری ہے یا نہیں؟ ـــــــــ دُنیا میں اسلامی انقلاب کا سب سے بڑا محرک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مِلّتِ اسلامیہ کا یہی جاں نثارانہ تعلق ہے جو مطلوب و مقصودِ قرآن ہے ـــــــــ

مولوی اسمٰعیل نے تقریباً ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء کے لگ بھگ "بڑے بھائی" کا نعرہ لگایا اور اس تعلق کو کمزور کیا جو سیاسی قوت کی جان ہے تو کیا ہوا؟ ـــــــــ بالاکوٹ میں شکست ہوئی، پھر سقوطِ دہلی کا سانحہ پیش آیا اور عملاً ہندوستان ہاتھ سے چلا گیا۔ سلطنتِ عثمانیہ پر زوال آیا ـــــــــ الغرض اس نعرے نے اسلامی ساکھ پر ضربِ کاری لگائی ـــــــــ اور جب وہی قرآنی نعرہ لگایا گیا اور سب کو محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی طرف بلایا تو دُنیا نے دیکھا کہ سینۂ گیتی پر ایک عظیم سلطنت پاکستان اُبھر رہی تھی اور جب اس جذبۂ عشق کو دبا دیا تو یہی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور ایک ہمہ گیر انتشار پیدا ہو گیا جو اُسی وقت ختم ہوا جب غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سینہ سپر ہو کر میدان میں آئے اور پھر دُنیا نے دیکھا کہ ایک تعمیری انقلاب آیا ـــــــــ تو ان تمام شواہد کو سامنے رکھتے ہوئے دل خود بخود گواہی دیتا ہے کہ سیاست و حکومت کی بقا اور استحکام کے لئے بھی

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے والہانہ اور جاں نثارانہ عشق و محبّت لازمی ہے۔ ع

دہر میں اِسمِ محمّد سے اُجالا کردے

چودھویں عبارت

بخاری شریف اور مسلم شریف کی ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ازراہِ انکسار فرمایا:۔

میں تو محض اُس کا بندہ ہی ہُوں، تم مجھے اللہ کا بندہ اور اُس کا رسُول کہو۔[۱]

مولوی اسمٰعیل نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:۔

مگر بشر رسُول بن کر بھی بشر ہی رہتا ہے، بندہ ہونا ہی اُس کے لئے سببِ فخر ہے۔ نبی بن کر بشر میں خدائی شان نہیں آجاتی اور خُدا کی ذات میں نہیں مِل جاتا، بشر کو بشر ہی کے مقام پر رکھو۔[۲]

یہ بات مولوی اسمٰعیل کو خدا سے کہنی چاہیئے کہ "بشر کو بشر ہی کے مقام پر رکھو" کیونکہ خدا نے قرآنِ کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے جس معیّت و محبّت کا اظہار فرمایا ہے اس کو دیکھ کر تو یہ شعر زبان پر آتا ہے ؎

تم ذاتِ خدا سے نہ جُدا ہو، نہ خُدا ہو
اللہ ہی کو معلوم ہے، تم کون ہو، کیا ہو؟

ایک حدیث شریف میں خود ارشاد فرمایا کہ "یا ابا بکر والذی بعثنی بالحق لم یعلمنی حقیقۃً غیر ربی"۔[۳] اے ابو بکر! قسم ہے اُس کی جس نے سچائی کے ساتھ مجھے بھیجا میری حقیقت سوائے میرے پروردگار کے کسی نے نہ جانی ——— ہم کون اُن کے مقام کا تعیّن کرنے والے! ——— خداوند تعالیٰ نے اپنی اور اپنے حبیبِ لبیب صلی اللہ علیہ وسلّم سے

---

[۱] اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبوعہ لاہور، ص ۴۷

[۲] ایضاً، ص ۴۷

[۳] محمد المہدی الفاسی: مطالع المسرات، فیصل آباد، ص ۱۲۹

محبت کے لیے دوہرا معیار نہیں رکھا، ایک ہی معیار رکھا ــــــــ بشر کو بشر کے مقام پر رکھنے کا تقاضا یہ تھا کہ خدا اور بندے کے لیے محبت کے الگ الگ معیار ہوتے، لیکن نہیں، ایسا نہیں کیا گیا، ــــــــ بلکہ قرآنِ کریم میں جہاں اپنی محبت کو دُنیا جہان کی محبت سے بالاتر رکھنے کا حکم دیا وہاں یہی حکم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی دیا اور اپنی محبت کی طرح آپ کی محبت کو بھی دُنیا جہان کی محبت سے بالاتر قرار دیا اور صاف صاف فرما دیا کہ اگر تم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی محبت نہیں کر سکتے تو عذابِ الٰہی کا انتظار کرو۔

یہ جو مولوی اسمٰعیل نے کہا کہ بندہ ہونا ہی اس کے لیے سببِ فخر ہے ــــــــ یہ غور نہ فرمایا کہ بندے تو ہم بھی ہیں، یہ فخر تو ہم سب کو حاصل ہے۔ پھر نبی اور رسول کا امتیاز کیا ہے؟ ــــــــ کم از کم اقبالؔ والی بات کہہ دی ہوتی ــــــــ وہ کہتا ہے کہ بندے تو سب ہی ہیں مگر "بندہ" ہونے اور "اُس کا بندہ" ہونے میں بڑا فرق ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔[۱]

(ترجمہ) پاکی اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔

فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ۔[۲]

(ترجمہ) پس وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

سُبحان اللہ، سُبحان اللہ! ہاں ؎

عبد دیگر، عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار، اُو منتظر (اقبالؔ)

وُہ کہتا ہے کہ ہم جیسے بندوں کا تو حال یہ ہے کہ ہم رحمتِ باری کا انتظار کر رہے ہیں اور اُن کا حال یہ ہے کہ رحمتِ باری اُن کا انتظار کر رہی ہے۔ ــــــــ سُبحان اللہ!

[۱] القرآن الحکیم، سورۃ بنی اسرائیل، ۱
[۲] القرآن الحکیم، سورۃ النجم، ۱۰

اِنتظار کا عالم یہ ہے کہ اِرشاد ہو رہا ہے :۔

ان الجنة حرام علی الانبیاء حتی تدخلها یا محمد
وعلی الامم حتی تدخلها امتک۔ [1]

(ترجمہ) اے محمدؐ جب تک جنّت میں آپ داخل نہ ہوں گے تمام نبیوں پر جنّت کا داخلہ قطعاً بند رہے گا اور جب تک آپ کی اُمّت جنّت میں داخل نہ ہو جائے گی، ساری اُمّتوں کا داخلہ بند رہے گا۔

مولوی اسمٰعیل نے کہا کہ بشر کو بشر ہی کے مقام پر رکھو "خدا سے نہ ملاؤ"! ــــــ مگر قرآنِ حکیم جگہ جگہ کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا سے ملا رہا ہے ــــــ سُنو :۔

(ا) اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ [2]

(ترجمہ) اللہ اور اُس کے رسُول نے اپنے فضل سے اُنھیں غنی کر دیا۔

(ب) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ [3]

(ترجمہ) اور کیا اچھا ہوتا اگر وُہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اُس کے رسُول نے اُن کو دیا۔

(ج) اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ [4]

(ترجمہ) بے شک اللہ اور اُس کا رسُول تمہارا مددگار ہے۔

بہت سی آیات ہیں، کہاں تک عرض کیا جائے ــــــ ہاں ایک حدیث پاک

---

[1] علی بن برہان الدین الحلبی: سیرتِ حلبیہ، مطبوعہ مصر، ص ۴۳۲

[2] القرآن الحکیم، سُورۃ التوبہ، ۷۴

[3] القرآن الحکیم، سورۃ التوبہ، ۵۹

[4] القرآن الحکیم، سورۃ المآئدۃ، ۵۵

ضرور سماعت فرمائیں، جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بلندی پر پہنچایا کہ عقل کے پر جل گئے

سُنیئے :-

ان محمداً یوم القیامۃ علی کرسی الرب بین یدی الرب[1]

(ترجمہ) بے شک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز اپنے رب کے حضور اُس کی کُرسی پر جلوہ افروز ہوں گے۔

اَب کس کی جراَت ہے جو خُدا سے یہ کہے کہ تُو نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے اپنی کُرسی پر کیوں بٹھایا، یہ تو بشر ہیں، ان کو بشر ہی کے مقام پر رکھ ؟

پندرھویں عبارت

ایک حدیث پاک کی تشریح کرتے ہُوئے مولوی اسمٰعیل لکھتے ہیں :-

پہلے معنی کے لحاظ سے ایک چیونٹی کا سردار بھی آپ کو نہ ماناجائے کیونکہ آپ اپنی طرف سے ایک چیونٹی میں بھی تصرّف کے مختار نہیں۔[2]

ایسے الفاظ لکھتے ہُوئے دِل لرزتا ہے اور قلم کانپتا ہے نہ معلوم مولوی اسمٰعیل نے کس دِل سے یہ باتیں لکھ دیں !

حدیث شریف میں آتا ہے :-

اعطیت الکنزین الاحمر والابیض۔[3]

(ترجمہ) میرے ہاتھ میں سُرخ و سپید دونوں خزانے دے دیئے گئے۔

جب کونین کے خزانے دے دیئے گئے تو اَب یہ کہنا کہاں تک صحیح ہوگا کہ آپ کو اپنی طرف

---

[1] تجلی الیقین، مطبوعہ مُرادآباد (۱۳۰۵ھ)، ص ۲۹ بحوالہ نسیم الریاض للعلامۃ الشہاب الخفاجی

[2] مولوی اسماعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبوعہ لاہور، ص ۷۶

[3] محمد ابو عبداللہ ولی الدین: مشکوٰۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، دہلی ۱۹۳۲ء، ص ۵۱۲

سے ایک چیونٹی میں بھی تصرف کا اختیار نہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ــــــــ جب مختار بنا دیا گیا تو پھر مجبوری کی بات کرنا معقول بات نہیں ــــــــ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت و جلال کا یہ عالم ہے کہ درندے تک نام نامی سن کر غلاموں کی رہنمائی کرتے ہیں ــــــــ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرزمین روم میں لشکر سے بچھڑ گئے۔ تلاش کرتے پھر رہے تھے کہ جنگل سے شیر نمودار ہوا۔ آپ نے بے ساختہ فرمایا:۔

یا ابا الحارث انا مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [1]

(ترجمہ) اے شیر! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔

یہ سننا تھا کہ شیر قدموں میں جھک گیا اور آپ کی رہنمائی کی یہاں تک کہ آپ لشکر سے مل گئے

کیا کسی مجبور انسان کی بحر و بر پر اس طرح حکومت ہوتی ہے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب ہرقل روم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال مبارک سنے تو بے ساختہ پکار اٹھا:۔

فسیملک موضع قدمی ھاتین۔ [2]

(ترجمہ) عنقریب وہ میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کے (یعنی تخت و تاج کے) مالک ہوں گے۔

اور اسی حدیث میں آیا ہے کہ ہرقل روم نے برملا کہا:۔

ھذا ملک ھذہ الامۃ قد ظھر۔ [3]

(ترجمہ) یہی اس زمانے کے لوگوں کا بادشاہ ہے جو ظاہر ہو گیا۔

---

[1] ابو نعیم الاصبہانی: حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ بیروت، جلد اول، ص ۳۶۹

[2] محمد بن اسمٰعیل البخاری: صحیح البخاری، کتاب الوحی، باب نمبر ۱، حدیث نمبر ۶

[3] بخاری شریف، کتاب الوحی، باب نمبر ۱، حدیث نمبر ۶

جو بات غیر مسلم ہوتے ہوئے ہرقل رد ّم پا گیا افسوس وُہ بات مسلم و عالم ہوتے ہُوئے صاحب تقویۃ الایمان نے نہ پائی ـــــــــ اب تاویل کرنے والا یہ تاویل کرتا رہے کہ اُن کا مقصد اُس اختیار و اقتدار کی نفی کرنا تھا جو صرف حق مجدہٗ سے وابستہ ہے ـــــــــ مگر سوال کرنے والا سوال کرسکتا ہے کہ آخر اس کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اور اس بے ڈھنگے طریقے سے اِس حقیقت کا اظہار کیوں فرمایا جس سے سراسر تنقیصِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کی بُو آرہی ہے ـــــــــ؟ کسی وزیرِ اعظم کو کوئی بادشاہ اِختیار و اقتدار دے اور اُس کی رعیّت میں سے اُٹھ کر کوئی یہ کہنے لگے: "اے وزیرِ اعظم! تیری کیا حقیقت ہے۔ تجھے تو ایک چیونٹی میں بھی تصرّف کا اِختیار نہیں، جو کچھ تجھے اِختیار ملا ہے وُہ تو بادشاہ نے دیا ہے" ـــــــــ مگر کسی کی جرأت نہیں جو یہ بات وزیرِ اعظم سے کہے ـــــــــ اور اگر کہے گا تو سر درباری اُسے گستاخ ہی سمجھے گا حالاں کہ جو کچھ اُس نے کہا غلط نہ تھا ـــــــــ تو غور کریں کہاں وُہ دُنیوی وزیر اور کہاں رسُولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی جنابِ عالی!

سولھویں عبارت

ایک حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے مولوی اسمٰعیل جبر دتی انداز میں اپنے مزعومات کو اِس طرح ثابت کرتے ہیں:۔

> میرا نام محمّد ہے، مَیں خالق یا رازق نہیں، میں عام لوگوں کی طرح اپنے باپ ہی سے پیدا ہوا ہوں اور میرا شرف بندہ ہونے میں ہے، البتہ عوام میں اِس بات سے جُدا ہُوں کہ میں اللہ کے احکام کو جانتا ہُوں۔ لوگ نہیں جانتے۔ لہٰذا اُنہیں مجھ سے اللہ کا دین سیکھنا چاہیئے۔[1]

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلّم کو تبلیغی جماعت کا امیر بنا کر پیش کرنا، کتنی بڑی جرأت ہے اور اہلِ دل کے لئے کس قدر تکلیف دہ ہے ـــــــــ کم از کم حدیث شریف کی شرح لکھتے وقت نامِ محمّد

---

[1] اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، مطبوعہ لاہور، ص ۴۷

کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیتے ——— مگر غیظ و غضب میں یہ باتیں بھول گئیں ———
ثابت یہ کرنا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک عام انسان کی طرح ہیں، خاص اس لیے ہو گئے کہ وہ احکامِ الٰہی جانتے تھے اور لوگ نہ جانتے تھے۔ اس سے تو یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ہر عالمِ دین منصبِ رسالت پر فائز ہے۔ (معاذ اللہ) ——— اسی اندازِ فکر نے دعوئ نبوت کے لیے راہ ہموار کر دی اور اب بھی بعض طبائع میں یہ انانیت موجود ہے ——— اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح فرمائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت کو ان کے سینے میں جگہ دے۔ آمین!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ علمی کا اندازہ تو اس حدیث شریف سے ہوتا ہے جس میں آپ نے فرمایا۔

ان اتقاکم و اعلمکم باللّٰہ انا[1]

(ترجمہ) بے شک تم میں سب سے زیادہ احکامِ الٰہی کا پاسدار اور ذاتِ الٰہی کا جاننے والا میں ہوں۔

اُس کی عظمت کا کیا ٹھکانہ جو نوعِ انسانی میں سب سے زیادہ ذاتِ الٰہی کا عرفان رکھتا ہو! ——— کیا ایسی عظیم شخصیت کا اسی طرح تعارف کرانا چاہیے تھا جس طرح صاحب تقویۃ الایمان نے کرایا ہے؟ ———

حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ عجز و انکسار تھا چنانچہ امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے شمائل ترمذی شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تواضع کے باب میں اس قسم کی احادیث کا ذکر کیا ہے جس قسم کی احادیث سے مولوی اسمٰعیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارجِ عالیہ گھٹانے کی کوشش کی ہے۔ ——— کسی کے تواضع و انکسار سے اُس کی کمتری پر استدلال کوئی معقول بات نہیں۔ مثلاً تواضع میں کوئی عالم یہ کہے کہ فقیر کسی لائق نہیں، تو کوئی معقول آدمی اس عالم کو جاہل و نالائق نہیں کہہ سکتا ——— تواضع و انکسار اسلامی تہذیب کا ایک حصہ ہے، مغربی تہذیب میں جس کا نام و نشان نہیں ——— احادیث کی تشریح کرتے وقت اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہیے۔

---

[1] بخاری شریف، کتاب الایمان، باب ۱۲، حدیث ۱۹

تأثّرات و تمیّزات

- آپ سُن چکے، کہنے والے نے دبے لفظوں میں یہ کہا کہ (معاذ اللہ) نبیِ محترم صلی اللہ علیہ وسلّم سے طلب و سوال کرنا ایسا ہے جیسے کوئی تاج شاہی ایک چمار کے سر پر رکھ دے۔ (معاذ اللہ)
- آپ سُن چکے، کہنے والے نے دبے لفظوں میں یہ کہا کہ (معاذ اللہ) جس نے رسول علیہ التحیۃ والتسلیم کو پکارا اُس نے بھنگی اور چمار کو پکارا۔ (معاذ اللہ)
- آپ سُن چکے، کہنے والے نے دبے لفظوں میں یہ کہا کہ (معاذ اللہ) نبیِ محترم صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے سامنے ذرّے سے بھی کم تر اور چمار سے زیادہ ذلیل ہیں۔ (معاذ اللہ)
- آپ سُن چکے، کہنے والے نے صاف لفظوں میں کہا کہ (معاذ اللہ) جس کا نام محمّد یا علی ہے اُس کو کسی بات کا اختیار نہیں۔
- آپ سُن چکے، کہنے والے نے صاف لفظوں میں کہا کہ (معاذ اللہ) دو عالم کے تاجدار، احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وسلّم کے دہشت کے مارے ہوش اُڑ گئے۔
- آپ سُن چکے، کہنے والے نے صاف صاف کہا کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔
- آپ سُن چکے، کہنے والے نے صاف صاف کہا کہ نبیِ محترم صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے لیے بس بندے اور ہمارے بڑے بھائی ہیں۔ (معاذ اللہ)
- آپ سُن چکے، کہنے والے نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم بشر ہیں اور بشر کو بشر ہی کے مقام پر رکھو۔
- آپ سُن چکے، کہنے والے نے توحید کے پردے میں یہ کہا کہ تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم ایک چیونٹی کے بھی سردار نہیں ——— آپ اپنی طرف سے ایک چیونٹی میں بھی تصرّف کے

ہاں اُسی محبت کی جو این و آں سے بے نیاز کر دیا کرتی ہے ۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دِل کو
عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

عقل کے ماروں نے دُنیا کو تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا ——— اَب عشق والوں کی باری ہے کہ یہی ڈوبتوں کو نکالتے ہیں ——— یہی مُردہ تنوں میں رُوحیں پھُونکتے ہیں ——— یہی خزاں میں بہاریں لاتے ہیں ——— آؤ، آؤ دِلوں کو آباد کریں ——— آؤ، آؤ خزاں رسیدہ گلشنوں کو شاداب کریں ——— آؤ آؤ محبت والوں کی دِلداری کریں کہ دِل دُکھانے والوں نے اِن کا بہت دِل دُکھایا ہے ۔

یاد رکھو رب العالمین اَور عالمین کے محبوب و ممدوح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ——— جہاں کی ساری محبتیں، ساری عقیدتیں، ساری اُلفتیں اس ایک در پر قُربان ہونے کے لائق ہیں ——— یہی وُہ در ہے جہاں خالقِ کائنات کی طرف سے دُرُود و سلام کے گجرے چلے آرہے ہیں ——— یہی وُہ در ہے جہاں فرشتے دُرُود و سلام کی سوغاتیں لا رہے ہیں ——— یہی وُہ در ہے جہاں کائنات کے گوشے گوشے سے دُرُود و سلام کے تحفے چلے آرہے ہیں ——— ہاں یہ در نہیں تو کچھ بھی نہیں ——— اِس در کی سُرخروئی، ہر در کی سُرخروئی ہے ۔

دیکھئے دیکھئے ابو طالب نے کیا عرض کیا ہے جسے سرکار کی خواہش پر علی مرتضیٰ پیش کر رہے ہیں :-

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ
ثمال الیتامٰی عصمۃ للارامل[1]

(ترجمہ) وُہ گورے رنگ والے کہ ان کے منہ کے صدقے میں ابر کا پانی مانگا جاتا ہے ۔

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی : شواہد الحق، مصر، ص ۱۶۵ (والبیہقی فی دلائل النبوۃ عن انس رضی اللہ عنہ کما افادہ العلامہ ابن حجر العسقلانی)

یتیموں کے جائے پناہ، بیواؤں کے نگہبان۔

اور سُنئیے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیا فرما رہی ہیں:۔

فصلی الملیک ولی العباد

رب العباد علی احمد[1]

(ترجمہ) احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بندوں کے بادشاہ، بندوں کے والی اور بندوں کے پروردگار نے درود و سلام بھیجا ہے۔

اللہ اللہ! اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ[2]

اللہ اور اُس کے فرشتے نبی کریم، رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیج رہے ہیں۔ ؏

کعبہ کا کعبہ رُوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

یہ ایک آیت ہدایت کے لیے کافی ہے ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی ساری تقریریں ایک طرف اور یہ آیت ایک طرف ـــــ اِس نکتہ کو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سمجھا اور ہم کو سمجھایا ـــــ کاش ہماری سمجھ میں آجاتے ـــــ!

اور دیکھئے بلبلِ چمنستانِ رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کیا فرما رہے ہیں:۔

۔ فامسی سراجا مستنیرا ھادیا

یلوح کما لاح الصیقل المھند[3]

(ترجمہ) وُہ روشن چراغ اور ہادی بن کر تشریف لائے۔ اور اس طرح چمکے جس طرح چمکائی ہوئی تلوار چمکتی ہے۔

---

[1] یوسف النبہانی بجۃ اللہ علی العالمین، ص ۱۴۱، بحوالہ شمس الدین ناصر الدمشقی، سلوۃ الکئیب لوفاۃ الحبیب

[2] القرآن الحکیم، سورۃ الاحزاب، ۵۶

[3] عبد الرحمن البرقوقی، شرح دیوان حسان بن ثابت، بیروت ۱۹۶۶ء، ص ۱۳۵

(ب) ما ان مدحت محمداً بمقالتی

لکن مدحت مقالتی بمحمد [1]

(ترجمہ) میں نے اپنے کلام سے آپ کی تعریف نہیں کی بلکہ اپنے کلام کو آپ کے نام پاک سے سنوارا ہے۔

(ج) واحسن منك لم ترقط عینی

واجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبراء من کل عیب

کانك قد خلقت کما تشاء [2]

(ترجمہ) میری آنکھوں نے آپ سے بڑھ کر آج تک کوئی حسین نہ دیکھا، اور دنیا جہان کی عورتوں کے آغوش میں آپ سے کامل واکمل پیدا ہی نہیں ہوا ــــــ آپ ہر عیب سے پاک پیدا ہوئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آپ نے چاہا، خالق نے ایسا ہی آپ کو بنا دیا ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عشق و محبت سے بھرپور یہ تاثرات پڑھو اور پھر دیکھو کہنے والے نے کس دل سے کیا کیا کہہ دیا؟

سنو! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا فرما رہے ہیں؟

امین مصطفیٰ للخیر یدعوا

کضوء البدر زایله الغمام [3]

(ترجمہ) وہ امین ہیں، برگزیدہ ہیں ــــــ بھلائی کی دعوت دیتے ہیں ــــــ ہاں وہ چاندنی ہیں جس سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔

---

[1] غلام رسول گوہر: احسن الکلام ـ گوہر نظام، قصور

[2] عبدالرحمٰن البرقوقی: شرح دیوان حسان بن ثابت، بیروت، ص ٦٦

[3] تاج الدین السبکی: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، جلد رابع، ص ١٦١، مطبوعہ مصر، ١٣٢٤ھ

○ ـــــ آپ نے ان گُل زاروں کی سیر کی ـــــ اب بتائیے آپ نے زندگی کہاں پائی؟
اُن خارزاروں میں یا ان گُل زاروں میں؟

○ ـــــ آپ نے بہاریں کہاں دیکھیں؟ ـــــ اُن خارزاروں میں یا ان گُل زاروں میں؟

○ ـــــ آپ نے روشنی کہاں پائی؟ ـــــ اُن خارزاروں میں یا ان گُل زاروں میں؟

○ ـــــ آپ نے تازگی کہاں محسوس کی؟ ـــــ اُن خارزاروں میں یا ان گُل زاروں میں؟

سچ بتائیے ـــــ کسی کی رُو رعایت نہ کیجئے ـــــ وُہی کہیئے، آپ کا دِل جس کی گواہی دے ـــــ وُہی بتائیے، آپ کا ایمان جس کی شہادت دے ـــــ بے شک

آں دیدہ کجُا کہ در جمالِ تو رسد
آں عقل کجُا کہ در کمالِ تو رسد
گیرم کہ تو پردہ بر گرفتی ز جمال
آں رُوح کجُا کہ در جلالِ تو رسد

کیا وُہ محسنِ اعظم جو راتوں کو اپنی اُمّت کی مغفرت و بخشش کے لیئے اشکبار رہا۔ اور جب تک اُس کے مولیٰ نے یہ پیغام نہ بھجوا دیا اُس کو چین نہ آیا:۔

"ہاں کوئی دن گزرتے ہیں کہ ہم آپ کو آپ کی اُمّت کی طرف سے خوش کر دیں گے اور غمگین نہ ہونے دیں گے۔"

کیا اِس احسانِ عظیم کا بدلہ یہی ہے کہ ہم آپ کی تعریف و توصیف کی بجائے آپ کے حضور زبان کو ایسا بے لگام کر دیں کہ خود گویائی شرمانے لگے ـــــ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں!

میرے بزرگو! اور میرے عزیزو! ـــــ بات کسی عالم کے وقار کی نہیں ـــــ بات وقارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہے ـــــ کیا کوئی مسلمان ایک لمحہ کے لیئے بھی یہ جرأت کر سکتا ہے کہ وُہ اپنی کسی بھی شخصیت پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عزّت کو قربان کر دے ـــــ نہیں نہیں ـــــ معاذ اللہ، معاذ اللہ ـــــ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں ـــــ

تو اپنے دلوں کو ٹٹولیئے اور اپنے دماغوں کو کھنگالیئے ـــــــ بے ادبیوں اور گستاخیوں کے خس و خاشاک ہوں تو ان کو نکال پھینکئے کہ دل عرش اللہ ہے ـــــــ اور پھر ایسوں سے دل لگائیے جو ادب کی راہ پر چلائیں کہ یہ فرشتوں کی راہ ہے ـــــــ جو بے ادبی اور گستاخی کی راہ سے بچائیں کہ یہ ابلیس کی راہ ہے ـــــــ جو محبت کی باتیں بتائیں ـــــــ جو عشق کے ترانے گائیں ـــــــ آیئے عشقِ مصطفےٰ سے سرشار ہو کر ہم سب یہ اعلان و اقرار کریں

یا رسول اللہ! آپ کی عزت و ناموس پر، ہماری عزت، ہمارے ماں باپ کی عزت، ہمارے اخلاف و اسلاف کی عزتیں قربان ہوں ـــــــ آپ ہماری آبرو ہیں ـــــــ آپ ہماری آرزو ہیں ـــــــ آپ ہماری زندگی ہیں، ہم آپ ہی کے لیئے زندہ ہیں۔ ہم آپ ہی کے لئے مریں گے۔ ہاں ؎

دِل تو جاتا ہے اس کے کوچے میں
جا، مری جاں، جا، خدا حافظ

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اختتامیہ

(۱)

مولوی اسمٰعیل دہلوی، ابن عبدالوہاب نجدی سے بہت متاثر تھے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل حقائق سے بخوبی ہو سکتا ہے جن کو ہمارے محققین اور مورخین نظر انداز کر دیتے ہیں؛

۱۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے ابن عبدالوہاب نجدی کے عقائد و افکار کا پرچار کیا؛

۲۔ انھوں نے ابن عبدالوہاب کی طرح توحید کی تائید اور انبیاء و صلحا کی تنقیص میں ایک کتاب لکھی؛

۳۔ انھوں نے ابن عبدالوہاب کی طرح اپنے عقائد و افکار کے خلاف عقیدہ رکھنے والے عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دیا؛

۴۔ انھوں نے ابن عبدالوہاب کے طریقۂ دعوت کو اپنایا؛

۵۔ انھوں نے مولوی سیّد احمد بریلوی کو "امیر المومنین" اور امام برحق تسلیم کیا اور دوسروں سے بزور شمشیر تسلیم کرایا۔ اور اس امامت کے منکرین کے خون کو حلال جانا۔ یہی روش ابن عبدالوہاب نے اختیار کی تھی؛

۶۔ انھوں نے ابن عبدالوہاب کی طرح ایسے مسلمانوں کے خون کو مباح جانا جنھوں نے ان کے عقائد و افکار کی مخالفت کی۔ ان کا خون بہایا ان کے اموال کو لوٹا، ان کے گھروں کو تاراج کیا؛

۷۔ انھوں نے ابن عبدالوہاب کی طرح ایسی حکومت قائم کرنے کی کوشش

جس میں صرف اُن کے عقائد و افکار کی ترویج و اشاعت ہو؛

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبدالوہاب کی حیات و افکار پر مختصر روشنی ڈالی جائے پھر مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے مرشد مولوی سید احمد بریلوی کے متعلق کچھ عرض کیا جائے تاکہ مولوی اسمٰعیل کے بارے میں جملہ حقائق سامنے آجائیں اور قارئین کرام اچھی طرح سمجھ سکیں کہ نور دنار میں جو عبارات پیش کی گئی ہیں ان کے لکھنے والے کا مذہبی، فکری اور سیاسی پس منظر کیا تھا اور اس کے عزائم کیا تھے؛

(۲)

ابن عبدالوہاب سترھویں صدی کے اواخر یا اٹھارویں صدی کے اوائل میں نجد کے مقام عینیہ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۲ء میں نجد کے مقام درعیہ میں وفات پائی ـــــ ان کی زندگی میں علم و فضل سے زیادہ جوش و جذبے کی کارفرمائی نظر آتی ہے اسی لئے دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا سید انور شاہ کشمیری نے ان کے متعلق لکھا ہے :۔

اما محمد بن عبد الوهاب النجدی فانه کان رجلا بلیدا قلیل العلم[۱]

(ترجمہ) لیکن محمد بن عبدالوہاب نجدی کم فہم اور کم علم شخص تھا۔

اسی طرح علامہ عبدالحفیظ بن عثمان قاری طائفی نے ابن عبدالوہاب کو "جاہل اور غبی" لکھا ہے[۲] ـــــ اور اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ وہ اپنے متبعین کے علاوہ عالم اسلام کے سارے مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دیتے تھے، تکفیر میں تعجیل کرتے تھے اور بغیر عذر شرعی مسلمانوں کا بے دریغ خون بہاتے تھے، ان کے مال لوٹتے، ان کے گھروں کو تاراج کرتے :

۱؎ بدر عالم، فیض الباری، دیوبند ۱۹۳۸ء، جلد ۱ صفحہ ۱۷۰

۲؎ عبدالحفیظ بن عثمان، جلاء القلوب وکشف الکروب، استانبول ۱۲۹۸ھ

حتیٰ کہ خود شیخ سلیمان بن عبدالوہاب اپنے بھائی محمد بن عبدالوہاب سے پوچھتے ہیں :

> آپ اُن لوگوں کو کافر قرار دیتے ہیں جو کلمۂ شہادت پڑھتے ہیں، نماز روزہ، حج اور زکوٰۃ کے پابند ہیں۔ ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ نے خلقِ خدا کو کافر بنانے کا قول کہاں سے لیا ہے[۱]؟

پھر دریافت کرتے ہیں :

> جو تفاصیل آپ نے بیان کی ہیں کہ اس کام کا کرنے والا مشرک، اُس کام کا کرنے والا مشرک۔ آپ نے یہ تفاصیل کہاں سے لی ہیں[۲]؟ ——کیا ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے یہ بات کہی ہے؟

ابن عبدالوہاب نے جن مسلمانوں کو اپنے خیال میں کافر و مشرک سمجھا ان کا بے دریغ خون بہایا، اس کی تفصیلات ایک ہم عصر عالم علامہ ابن عابدین شامی کی تحریر سے ملتی ہیں، وہ لکھتے ہیں :

> نجد سے عبدالوہاب کے پیروان نکلے اور انھوں نے حرمین پر قبضہ کیا۔ وہ اپنے کو اگرچہ حنبلی کہتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمان صرف وہی ہیں، جو بھی ان کے عقائد کے خلاف ہو، وہ مشرک ہے بنا بریں انھوں نے اہل سنت کو اور ان کے علما کو قتل کرنا مباح قرار دیا ہے[۳]۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ سلیمان نے ابن عبدالوہاب سے پوچھا :

> "اسلام کے ارکان کتنے ہیں"؟

انھوں نے جواب دیا۔—— "پانچ"

شیخ سلیمان نے کہا :

۱؎ الصواعق الالٰہیۃ فی الرد علی الوہابیہ مطبوعہ استانبول ۱۹۷۶ء ص ۵ ۲؎ ایضاً ص ۵

۳؎ محمد امین بن عمر معروف بہ ابن عابدین : ردالمحتار شرح درمختار، مطبوعہ مطبعۃ العامرہ ۱۲۷۹ھ ص ۳۹

انت جعلتها ستة ذالسادس من لم يتبعک فليس بمسلم[۱]

(ترجمہ) آپ نے چھ ارکان بنا دیئے اور چھٹا رکن یہ ہے کہ جو شخص آپ کی پیروی نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔

ابن عبدالوہاب نے جب اپنی دعوت کا آغاز کیا تو امیر درعیہ محمد بن مسعود نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی پھر درعیہ کے قرب جوار میں اس مسلک کو پھیلایا گیا۔ آل سعود سے اس مسلک کو فوجی قوت ملی پھر حرمین شریفین اور قرب و جوار میں مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا گیا اور مقابر و مقامات مقدسہ کو منہدم کیا گیا اور بے حرمتی کی گئی۔ اس کی تفصیلات تاریخ نجد و حجاز (مصنفہ مفتی محمد عبدالقیوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء) میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں۔ ابن عبدالوہاب اور ان کے متبعین کے اس عمل کو معاصر اور متاخرین علماء نے اچھا نہ سمجھا اور تقریباً چالیس[۲] علماء عرب نے ابن عبدالوہاب کے افکار و اعمال کا رد لکھا۔ خود ان کے والد ان سے خوش نہ تھے اور ان کے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب نے ان کے رد میں رسالہ لکھا جس کے حوالے پیچھے پیش کئے گئے، یعنی الصواعق الالٰہیۃ فی الرد علی الوہابیہ (۱۱۶۷ھ) یہ رسالہ ابن الوہاب کی دعوت کے آٹھویں سال لکھا گیا، اس میں ایک ایک کر کے ابن الوہاب کے عقائد و افکار کا مدلل رد لکھا گیا ہے جو قابل مطالعہ ہے۔

(۳)

مولوی اسمٰعیل دہلوی نے ابن عبدالوہاب کی پیروی میں اپنے عقائد ترتیب دیئے اور ابن عبدالوہاب کی کتاب ردّ الاشرک یا کتاب التوحید کے طرز پر تقویۃ الایمان لکھی پھر اس کے عملی نفاذ کی کوشش کی۔

مولوی اسمٰعیل ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء کو بمقام پھلت (ضلع مظفر نگر بھارت) میں پیدا ہوئے اور ۲۴ ذی القعدہ ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء کو بالا کوٹ (سرحد پاکستان)

[۱] سلیمان نجدی: الصواعق الالٰہیۃ، مطبوعہ استانبول

[۲] ابو حامد بن مرزوق: التوسل بالنبی وجہلۃ الوہابیین، مطبوعہ استانبول ۱۹۷۶ء

میں جان دی — موصوف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے چھوٹے بیٹے شاہ عبد الغنی کے فرزند تھے۔ ابتدائی کتابیں ان سے پڑھیں پھر اپنے چچا حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر سے پڑھا اور جلد ہی فارغ ہو گئے، طبیعت میں ضد کا مادہ تھا چنانچہ ایک موقع پر انھوں نے اپنے چچا حضرت شاہ عبد العزیز اور شاہ عبد القادر کی ہدایت و نصیحت پر عمل کرنے سے بھی انکار کر دیا جس سے ان کو سخت قلق ہوا[1]

مولوی اسمٰعیل دہلوی کی متعدد تصانیف میں تقویۃ الایمان زیادہ مشہور ہوئی اس کی وجہ سے مسلمانوں میں بڑا انتشار پھیلا جو اب تک قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خانوادہ ولی اللہی کے اکابر علماء نے اس سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور ربیع الاول ۱۲۴۰ھ کو دہلی کی جامع مسجد میں باقاعدہ اس کا اعلان کیا گیا۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے اس کا رد لکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا جو علالت کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نے اس کے رد میں ایک کتاب تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء) تحریر فرمائی اس میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے سترہ نامی گرامی شاگردوں کی تصویب و تصدیق موجود ہے — مولوی اسمٰعیل کے چچا زاد بھائی مولانا مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین نے تقویۃ الایمان کے رد میں معید الایمان کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اسی طرح دوسرے بھائی مولانا محمد موسیٰ نے بھی حجۃ العمل فی اثبات الحیل کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ مولانا مخصوص اللہ، تقویۃ الایمان کی فتنہ انگیزی کے پیش نظر اس کو تفویتۃ الایمان کہا کرتے تھے یعنی ایمان کو ہلاک[4] کرنے والی!

---

[1] ارواح ثلاثہ، امداد الغرباء، سہارنپور ۱۳۷۳ھ، حکایت ۳۰

[2] مخصوص اللہ: تحقیق الحقیقہ، مطبوعہ بمبئی ۱۲۶۸ھ بحوالہ انوار آفتاب صداقت مؤلفہ فضل احمد لدھیانوی، ص ۲۴ [3] زید ابوالحسن فاروقی: مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان مطبوعہ دہلی ۱۹۸۴ء، ص ۱۴ [4] ایضاً، ص ۱۰۱

مولانا فضل رسول بدایونی کے استفسار پر مولانا مخصوص اللہ ابن شاہ رفیع الدین دہلوی نے تحقیق الحقیقۃ کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا، اس کی مندرجہ ذیل عبارت سے تقویۃ الایمان کی حیثیت متعین کی جا سکتی ہے:

۱۔ تقویۃ الایمان کہ میں نے اس کا نام تفویتہ الایمان ساتھ "فا" کے رکھا ہے اس کے رد میں رسالہ جو میں نے لکھا ہے اس کا نام معید الایمان رکھا ہے۔ اسمٰعیل کا رسالہ موافق ہمارے خاندان کے کیا کہ تمام انبیاء اور رسولوں کی توحید کے خلاف ہے کیونکہ پیغمبر سب توحید کے سکھانے کو اپنی راہ پر چلانے کو بھیجے گئے تھے، اس کے رسالے میں اس توحید کا اور پیغمبروں کی سنت کا پتہ بھی نہیں ہے۔[1]

۲۔ جس رسالے سے اور اس کے بنانے والے سے لوگوں میں برائی اور بگاڑ پھیلے اور خلاف سب انبیاء و اولیاء کے ہو وہ گمراہ کرنے والا ہوگا یا ہدایت کرنے والا ہوگا؟ —— میرے نزدیک اس کا رسالہ عمل نامہ برائی اور بگاڑ کا ہے اور بنانے والا فتنہ گر اور مفسد اور غاوی اور مغوی ہے۔[2]

تقویۃ الایمان کے بارے میں یہ خیالات شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا مخصوص اللہ کے ہیں جو مولوی اسمٰعیل دہلوی کے تایا زاد بھائی تھے گھر کا حال اہل خانہ ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا تاثرات سے تقویۃ الایمان کی حیثیت آسانی سے متعین کی جا سکتی ہے:

غالباً تقویۃ الایمان کی اسی فتنہ انگیزی کی وجہ سے انگریزوں نے اس کی اشاعت میں حصہ لیا[3] —— کیونکہ ملت اسلامیہ میں انتشار و افتراق ان کے مقاصد جلیلہ میں سے

۱۔ مخصوص اللہ، تحقیق الحقیقہ، بحوالہ مذکور، ص ۱۰۲

۲۔ ایضاً، ص ۱۰۲ ۳۔ قمر النساء ڈاکٹر: العلامۃ فضل حق خیرآبادی، مقالہ ڈاکٹریٹ عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد دکن، ص ۵۲۔

ایک اہم مقصد تھا جس کا اظہار اس رپورٹ سے ہوتا ہے جو ۱۸۷۱ء میں انڈیا ہاؤس (لندن) کی منعقدہ کانفرنس میں ہندوستان میں متعین انگریز پادریوں نے پیش کی، ملاحظہ فرمائیں :-

ہم اس سے پہلے برصغیر کی تمام حکومتوں کو غداً تلاش کرنے کی حکمت عملی سے شکست دے چکے ہیں، وہ مرحلہ اور تھا۔ اس وقت فوجی نقطۂ نظر سے غداری کی تلاش کیگئی تھی، لیکن اب جب کہ ہم برِصغیر کے چپہ چپہ پر حکمران ہو چکے ہیں اور ہر طرف امن و امان بھی بحال ہو گیا ہے تو اِن حالات میں ہمیں کسی ایسے منصوبے پر عمل کرنا چاہیئے جو یہاں کے باشندوں کے داخلی انتشار کا باعث ہو[1]

یہ تھے انگریزوں کے عزائم اور اس کی تکمیل کے لئے انھوں نے شریر سے شریر اور شریف سے شریف مسلمانوں کو اپنی حکمت عملی سے استعمال کیا ——— کسی کو خبر تھی کہ وہ کس کا آلۂ کار بنا ہوا ہے اور کوئی اپنی سادگی اور سادہ لوحی کی وجہ سے اس سے بے خبر تھا؛

(۴)

مولوی اسمٰعیل دہلوی نے ابن عبدالوہاب کی تصنیف کتاب التوحید (ردّ اشراک) کو سامنے رکھ کر اپنے عقائد و افکار کا ڈھانچہ تیار کیا جس کا نام تقویۃ الایمان رکھا، حقیقت تو یہ ہے کہ کتاب التوحید گویا متن ہے اور تقویۃ الایمان اس کی شرح[2] ——— پھر جس طرح ابن عبدالوہاب نے کتاب التوحید کے عملی اور حتمی نفاذ کے لئے اقتدار و حکومت کا سہارا لیا اسی طرح مولوی اسماعیل نے بھی اقتدار و حکومت کا سہارا لیا ——— اور جس طرح محمد ابن عبدالوہاب نے اُن مسلمانوں سے قتال کیا جنھوں

---

[1] بہیں بڑے سیلمان (مقدمہ علامہ خالد محمود) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۶

[2] کتاب التوحید کی طرح تقویۃ الایمان کے بھی علماء نے بکثرت رد لکھے جن کی تعداد ایک اندازہ کے مطابق پچاس سے تجاوز کر چکی ہے۔ (مسعود)

نے ان کے عقائد و افکار کی مخالفت کی یا ان کے اقتدار کو تسلیم نہیں کیا اسی طرح مولوی اسمٰعیل نے بھی اپنے عقائد و افکار کی اشاعت و ترویج اور قطعی نفاذ میں مانع مسلمانوں سے قتال کیا — تفصیلات آگے آتی ہیں ؎

جمادی الآخرہ ۱۲۴۱ھ / جنوری ۱۸۲۶ء کو مولوی اسمٰعیل دہلوی اپنے مرشد مولوی سید احمد بریلوی کے ہمراہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ایک مہم پر راجپوتانہ، سندھ، بلوچستان ہوتے ہوئے افغانستان میں داخل ہوئے اور وہاں سے دسمبر ۱۸۲۶ء / ۱۲۴۲ھ کو چارسدہ کے علاقہ ہشت نگر پہنچے۔ ایک مہینہ نہ گزرا تھا کہ مولوی اسمٰعیل نے اپنے مرشد مولوی سید احمد کا اشارہ پاکر ان کو امام برحق تسلیم کیا اور 'امیر المومنین' بنادیا اور یہ حکم ناطق نافذ کیا:۔

"جو شخص آنجناب کی امامت ابتدا ہی سے قبول نہ کرے یا قبول کے بعد اس سے انکار کرے وہ ایسا باغی ہے کہ اس کا خون بہانا حلال ہے اور اس کا قتل کرنا کافروں کے قتل کی طرح عین جہاد اس معاملے میں عاجز کا مسلک یہی ہے لہٰذا اعتراض کرنے والوں کے اعتراضات کا جواب تلوار کی مار ہے نہ تحریر و تقریر" ؎

مولوی سید احمد بریلوی نے افغانستان کے والی امیر دوست محمد خاں کے نام ۱۲۴۲ھ کو جو خط لکھا تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی اسمٰعیل نے مولوی سید احمد کا اشارہ پاکر اور ان پر ایمان بالغیب رکھ کر یہ قدم اٹھایا۔ مولوی سید احمد والی موصوف کو لکھتے ہیں :۔

"خاص و عام مسلمانوں کے اتفاق رائے سے سب نے امامت کی بیعت اس عاجز کے ہاتھ پر کی اور جمعہ کے روز عاجز کا نام خطبے میں لیا گیا اس خاکسار ذرہ بے مقدار کو اس بلند مرتبے کے حاصل ہونے کی بشارت غیبی اشارے اور الہام کے ذریعہ، جس میں تشکک و ترشد کی گنجائش

نہیں ہے، دی گئی تھی۔[۱]

مولوی اسمٰعیل دہلوی کے ہم سبق اور اس تحریک کے رفیق کار مولانا محبوب علی نے اس اعلان امامت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور خلوت خاص میں مولوی سید احمد بریلوی کو مشورہ دیا :۔

"آپ یہ نہ کہیں کہ میں امیر المومنین اور زمین پر اللہ کا خلیفہ ہوں اور میری اطاعت تمام لوگوں پر واجب ہے کیوں کہ یہ نرالی بات رئیسوں اور سمجھداروں کو وحشت میں ڈالتی ہے۔"[۲]

مگر مولوی سید احمد نے اس مشورے کو منظر انداز کر دیا اور مولانا محبوب علی سے کہا کہ خاموشی سے اطاعت کیے جاؤ، ان کے لیے یہ مشکل تھا تو وہ اجازت لے کر وطن واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد اس خیال سے کہ کہیں دوسرے لوگ بھی ان کو چھوڑ کر نہ چلے جائیں، مولوی سید احمد نے اعلان کیا :۔

"جو بھی میرے پاس سے اپنے وطن کو لوٹ کر جائے گا اُس کا ایمان گیا"[۳]

مولوی محبوب علی کے چلے جانے کے بعد اس تحریک کو جو صدمہ پہنچا اس کا محمد جعفر تھانیسری نے اس طرح ذکر کیا ہے :۔

"مولوی محبوب علی کے اغوا سے جو کاروبار جہاد کو صدمہ پہنچا وہ صدمہ اس لشکر کو آج تک کسی سکھ یا درانی کے ہاتھ سے نہ پہنچا تھا۔ مولوی محبوب علی کے فتنے کے بعد مدت سے ہندوستان سے قافلوں کا آنا بند ہو گیا۔ اکثر معاونین جہاد سست ہو گئے۔"[۴]

---

[۱] ابوالحسن فاروقی : مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان، ص ۸۰ بحوالہ مکتوب سید احمد شہید ص ۱۴۹

[۲] محبوب علی : تاریخ الائمہ (قلمی)، محررہ ۱۲۵۱ھ، ص ۹۹۵ [۳] ایضاً، ص ۸۹۶

[۳] مولوی محبوب کے ساتھ مجاہدین کی ایک بڑی جماعت واپس چلی گئی تھی۔ اس کو جعفر تھانیسری نے "اغوا" سے تعبیر کیا ہے :

[۴] محمد جعفر تھانیسری : حیات سید احمد شہید، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء، ص ۲۳۶

مولوی سیّد احمد کا وہی مسلک تھا جو ان کے دستِ راست اور مرید باصفا مولوی اسمٰعیل دہلوی کا تھا، یعنی دونوں حضرات پاک و ہند کے اکثر علماءؒ و مشائخ اور مسلمانوں کو کفر و ارتداد میں ملوث سمجھتے تھے جس کا اظہار مولوی سیّد احمد نے رئیس ٹونک (بھارت) نواب وزیر الدولہ کے نام ایک مکتوب میں کیا ہے[1]؛

مولوی سیّد احمد کے اعلانِ امامت کے بعد اُن کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جانے لگا اور یہ خدشہ ظاہر کیا جانے لگا کہ آپ کا مقصد خاص مقاصد کی تکمیل کے لئے اقتدار و حکومت حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ آپ نے ۲۰ ربیع الاول ۱۲۴۲ھ؁ کو حاکم پشاور سلطان محمد خاں کے نام ایک اطلاع نامہ ارسال فرمایا اور اس کی نقول اطراف و جوانب میں ارسال کیں۔ اس میں ان خدشات کو رفع فرمایا۔ جو کچھ تحریر فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ مسلمان امراء میں کسی کے ساتھ ہماری منازعت نہیں؛

۲۔ نہ مومنین رؤساء میں سے کسی سے ہماری مخالفت؛

۳۔ لئیم کافروں سے ہمارا مقابلہ ہے، نہ مدعیان اسلام سے[2]؛

سلطان محمد خاں نے اس وضاحت کو کافی نہ سمجھا اور جواباً لکھا:

۱۔ یہ دعویٰ کہ مسلمانوں سے نہیں بلکہ کفار سے لڑنے آئے ہیں۔ ابلہ فریبی ہے؛

۲۔ آپ کا عقیدہ فاسد اور نیت کاسد ہے؛

۳۔ آپ فقیر ہو کر ارادہ امامت و حکومت رکھتے ہیں؛

۴۔ ہم نے بھی خدا کے واسطے کمر باندھی ہے کہ تم کو قتل کر کے اس زمین کو تم سے پاک کریں گے[3]؛

---

[1] ابوالحسن فاروقی: مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان ص ۸۰ بحوالہ مکتوبات سید احمد شہید ۳۰
[2] ایضاً، ص ۹۶ بحوالہ تواریخ عجیبہ مؤلفہ جعفر تھانیسری و مکتوب سیّد احمد شہید ص ۱۹-۲۸
[3] ایضاً، ص ۹۶ بحوالہ مذکورہ

سلطان محمد خاں کے اندیشے غلط نہ تھے چنانچہ ۱۸۳۰ء کو مولوی سیّد احمد اور ان کے رفقاء نے پشاور اور کوہاٹ پر قبضہ کیا، اس مہم میں دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور ایک ہزار مجروح[1] —— سب سرداروں سے بیعت لی مگر سردار پائندہ خان نے بیعت نہ کی۔ سیّد احمد کے ساتھیوں نے اس سے جنگ کی، اس کے علاقہ کو تاراج کیا اور اس پر قبضہ کیا؛ پائندہ خاں نے سردار ہری سنگھ سے مدد لے کر سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی پر غلبہ حاصل کیا اور سکھوں کو انعام و اکرام سے نوازا[2]، اسی طرح سلطان محمد خاں نے بھی پشاور و کوہاٹ پر قبضہ کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ایک قیمتی گھوڑا نذر کیا اور مولوی سید احمد اور مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے رفیقوں کے خلاف مدد طلب کی۔[3]

مندرجہ بالا حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد کچھ اور ہی تھا، سکھوں سے جنگ کرنا مقصود نہ تھا ورنہ مقامی مسلمانوں کا سیّد احمد کے خلاف سکھوں سے مدد طلب کرنا کیا معنی؟

مولوی سیّد احمد کے رفقاء میں رفیق خاص مولوی محبوب علی نے سب ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ اپنے اپنے وطن واپس جا کر حقوق العباد ادا کریں۔ انھوں نے سوال کیا۔

"جہاد کہاں ہے"؟

"تم نے کونسے دن کسی کافر کو مارا ہے"؟[4]

مقامی مسلمانوں کے خلاف قتال و جدال نے بعض مقامی علماء کو سیّد احمد اور مولوی اسمٰعیل سے بدظن کر دیا جس کا اندازہ خود مولوی سیّد احمد کے مکتوب سے

---

[1] جعفر تھانیسری: تواریخ عجیبہ، ص ۱۴۹؛

[2] مراد علی: "تاریخ تناولیاں"، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۵۴-۵۶

[3] جعفر تھانیسری: تواریخ عجیبہ، ص ۱۴۹؛

[4] غلام رسول مہر: سید احمد شہید، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۲۴۶

سے ہوتا ہے۔ اس مکتوب سے پتا چلتا ہے کہ مقامی علما آپ سے برگشتہ ہو گئے اور آپ کو ملحد و بے دین سمجھنے لگے۔

مولوی محبوب علی نے لکھا ہے:

"(مقامی مسلمان) سیّد احمد کے اعلان امامت کے بعد آپ سے لڑے اور قتال کیا ــــ جناب سیّد صاحب کے لوگوں نے مقتولین کے اموال میں مالِ غنیمت کی طرح تصرّف کیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر لوگوں کو یقین ہو گیا کہ سیّد صاحب خلافت کے لائق نہیں لہٰذا سب نے بیعت توڑ دی اور کہا ہم تمہارا اتباع کسی امر میں نہیں کریں گے[1]

ایک اور حادثہ پیش آیا ــــ سیّد احمد کے رفقا جبراً افغان عورتوں اور بیواؤں سے نکاح کرنے لگے۔ چنانچہ خویشگی خاں کی ایک لڑکی کا جبراً نکاح ہوا جس نے اس کو برہم کر دیا۔ اس نے خان خٹک سے مل کر ایک مہم چلائی جس کے نتیجے میں سیّد صاحب کے مقرر کردہ تمام سرداروں کو قتل کر کے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا[2]۔ اس صورت حال نے سیّد احمد کو سخت مایوس کر دیا اور انھوں نے مایوسی کے عالم میں اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

میں اب اس سرزمین کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔ یہ نہیں بتا سکتا کہ کہاں جاؤں گا ــــ میں آپ کو رخصت دیتا ہوں آپ مجھے رخصت دیں[3]"

مگر چند رفیق جو باقی رہ گئے تھے وہ آپ کے ساتھ رہے، مایوس ہو کر آپ

---

[1] محبوب علی: تاریخ الائمۃ فی ذکر خلفاء الائمۃ (۱۲۴۴ھ - ۱۲۵۱ھ)، قلمی مخزونہ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، تغلق آباد، دہلی، ص ۸۹۱

[2] غلام ابوالحسن فاروقی، مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان بحوالہ حزب ولی اللہ کی تاریخ کا مقدمہ از مولانا عبید اللہ سندھی، ص ۱۷۰

[3] ایضاً، ص ۱۷۱ - ۱۷۲

چل پڑے، واپسی میں آپ کاغان پہنچے، درّہ بھوگرمیں شیر سنگھ پر شب خون مارا، آگے بڑھ کر بالاکوٹ پر قبضہ کیا، پھر مظفر آباد فتح کیا ۔۔۔۔ سکھ، سیّد احمد کے خلاف چوں کہ مقامی مسلمانوں کی مدد کر چکے تھے اس لئے سکھوں کے خلاف اس مہم میں مقامی مسلمانوں نے بھی مدد کی، اس طرح فیصلہ کن جنگ ہوئی اور بالاکوٹ کے ایک حصے میں محصور مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے سارے رفقاء مارے گئے؛

سیّد صاحب کے باڈی گارڈ مولوی جعفر علی نقوی لکھتے ہیں:۔

"حضرت امیر المومنین در ہماں جماعت از نظر من غائب شدند"[1]

(یعنی اسی جماعت میں امیر المومنین میری نظروں سے غائب ہو گئے)

میدان جنگ سے غائب ہونے کے بعد آج تک آپ کو کسی نے نہ دیکھا چنانچہ آپ کی وفات کی کوئی مستند اور قابل ذکر شہادت تاریخ سے نہیں ملتی۔

مولوی اسمٰعیل دہلوی کو ناس (نسوار) سونگھنے کی بہت عادت تھی، میدان جنگ میں دشمن پر حملے اور انتقال کی جو کیفیت محمد جعفر تھانیسری نے لکھی ہے وہ یہ ہے:۔

"ناس سونگھ کر لشکر کفار میں گھس کر آپ شہید ہو گئے"[2]

یہ بھی لکھا ہے کہ چوں کہ آپ کو ناس (نسوار) سے پیار تھا اس لئے آپ کی قبر پر لوگ نسوار چڑھا کر منتیں اور مرادیں مانگتے ہیں[3]،

(۵)

قاری کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر اتنے دور دراز مقام پر جا کر یہ مہم جوئی کیوں کی گئی۔ اس سلسلے میں محققین اور مؤرخین کے پانچ نظریات ملتے ہیں:۔

۱۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ تحریک انگریزوں کے خلاف تھی؛

---

[1] محمد جعفر تھانیسری، حیات سیّد احمد شہید، ص ۲۸۸؛

[2] ایضاً، ص ۳۱۵؛ [3] ایضاً، ص ۳۱۶؛

۲- بعض کا خیال ہے کہ یہ اسلامی تحریک تھی؛
۳- بعض کا خیال ہے کہ یہ آزادیٔ وطن کی تحریک تھی؛
۴- بعض کا خیال ہے کہ یہ سکھوں کے خلاف تحریک تھی؛
۵- بعض کا خیال ہے کہ یہ ایک نظریاتی اور فرقہ وارانہ تحریک تھی؛

۱- اگر یہ تحریک واقعی انگریزوں کے خلاف تھی تو یہ بات تعجب انگیز ہے کہ سید احمد اور ان کے رفقاء نے انگریزوں کی عمل داری میں میلوں سفر کیا مگر وہ مزاحم نہیں ہوئے بلکہ بقول حسین احمد مدنی:-

> جب سید احمد کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضروریات کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔[1]

محمد جعفر تھانیسری نے بعض ایسے حقائق پیش کئے ہیں جن سے انگریزوں سے مولوی سید احمد بریلوی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کا ربط خاطر ظاہر ہوتا ہے۔ ——— ایک جگہ لکھا ہے کہ جب سید صاحب حج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو ایک انگریز سوداگر نے آپ کے قافلے والوں کو کھانا پیش کیا[2] ——— ایک جگہ لکھا ہے کہ انگریزوں کی دعوت پر سید صاحب نے مولوی اسمٰعیل کو وعظ و نصیحت کے لئے بھیجا، چنانچہ:-

> اس دن تقریباً دس ہزار میم صاحب اور صاحب لوگ آپ کے وعظ سننے کو جمع ہوئے تھے[3]

ایک جگہ لکھا ہے کہ جب سید صاحب اپنی مہم پر روانہ ہوئے تو شیخ غلام علی رئیس اعظم الہ آباد کی معرفت لفٹیننٹ گورنر بہادر اضلاع شمال و مغربی کو باقاعدہ

---

[1] حسین احمد مدنی: نقش حیات، جلد دوم مطبوعہ کراچی ۱۹۵۳ء، ص ۴۱۹
[2] محمد جعفر تھانیسری: حیات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء، ص ۱۳۱
[3] ایضاً، ص ۱۲۹

اطلاع بھجوائی[1]

۲۔ اگر یہ تحریک اسلامی تھی تو اس مہم جوئی میں ہندوؤں سے کیوں مدد مانگی گئی اور ہندو افسروں کو اپنی فوج میں کیوں بھرتی کیا گیا؟ مولوی حسین احمد لکھتے ہیں :۔

سید صاحب کا ہندو ریاستوں کو مدد اور شرکت جنگ کی دعوت دینا اور اپنے توپ خانے کا افسر راجہ رام راجپوت کو مقرر کرنا خود اس کی دلیل ہے کہ آپ ہندوؤں کو اپنا محکوم نہیں بلکہ شریک حکومت بنانا چاہتے تھے[2]

۳۔ اگر یہ آزادئ وطن کی تحریک تھی اور اس کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ حکومت قائم کرنا تھا جیسا کہ مولوی حسین احمد کا خیال ہے تو پھر سید احمد کا عہدۂ امامت اور خلافت پر فائز ہو کر اپنی حکومت قائم کرنا کیا معنی؟

۴۔ اگر یہ تحریک سکھوں کے خلاف تھی تو مقامی مسلمان سرداروں کا ہری سنگھ اور رنجیت سنگھ سے مدد طلب کرنا کیا معنی؟ —— مولوی حسین احمد نے لکھا ہے:

"سکھوں سے جنگ فرقہ واریت کی بنا پر نہ تھی بلکہ اس بنا پر تھی کہ وہ انگریزوں کے حلیف و مددگار تھے[3]۔"

لیکن اگر ایسا ہوتا تو پھر انگریز —— سید احمد کی کیوں مدد کرتے حقیقت میں انگریز سید صاحب سے نہیں بلکہ سکھوں سے خوف زدہ تھے جن پر اس وقت تک وہ غلبہ حاصل نہ کر سکے تھے۔

۵۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ تحریک نظریاتی اور فرقہ وارانہ تحریک تھی یعنی اس کا مقصد یہ تھا کہ ایک حکومت قائم کر کے خاص قسم کے عقائد و افکار وہاں نافذ کئے جائیں۔ اس خیال کی توثیق مولوی محبوب علی کے اس بیان سے ہوتی ہے :۔

---

[1] محمد جعفر تھانیسری، حیات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء، ص ۱۶۸

[2] حسین احمد مدنی، نقش حیات، جلد دوم مطبوعہ کراچی، ص ۴۲۲ [3] ایضاً، ص ۴۲۳

"میں نے جب سیّد صاحب کی مجلس کا یہ حال دیکھا، سمجھ گیا یہ کام اُن کے بس کا نہیں اور مجھ کو یقین ہوگیا کہ اختلافات کے جھگڑوں میں علماً مارے جائیں گے اور جاہلوں کا مذہب سیّد صاحب کے کشوفات اور معارف ہوں گے"[1]

مولوی محبوب علی نے جس اندیشے کا اظہار فرمایا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصل جنگ افکار و عقائد کی جنگ تھی جس کی تصدیق و توثیق دوسرے تاریخی حقائق و شواہد سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً جب سیّد صاحب ۱۲۳۶ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو انھوں نے وہاں اپنے حلقۂ اثر میں ایک خواب کی تشہیر کی جس کا لب لباب یہ ہے:

۱۔ چاروں فقہائ کے مذہب میں سے کوئی مذہب مجھے پسند نہیں، کوئی طریقہ میرے طریقے پر نہیں[2]

۲۔ مشہور طریق اولیائ اللہ میں کوئی طریقہ میرے طور پر نہیں[3]

اس خواب سے سیّد صاحب کے مسلک کا بخوبی تعین کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیّد صاحب اپنی مہم پر صوبہ سرحد پہنچے تو وہاں مولوی اسماعیل دہلوی کابل، قندھار، سمرقند اور ماوراء النہر وغیرہ کے علمائ سے مسئلہ وجوب تقلید پر بحث کرتے نظر آتے ہیں[4]۔ حالانکہ بظاہر "جہاد" کے لئے تشریف لے گئے تھے ——— خود مولوی سیّد احمد نے اپنے عزائم کا اس طرح اظہار فرمایا ہے:

"مجھ سے خلقت کو جو فیض ایمانی پہنچا ہے روز بروز ترقی پر رہے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ ہندوستان، خراسان، چرک شرک اور پلیدئ بدعت سے میرے ہاتھ سے یکسر پاک و صاف ہو کر انوار اسلام سے منور[5] رہوں گے)

۱۔ محبوب علی، تاریخ الائمہ (قلمی) محررہ ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء ص ۵۹۵ (نوٹ: اس موضوع پر شاہ حسین گردیزی (کراچی) کی تصنیف قابل مطالعہ ہے "استوار") ۲۔ محمد جعفر تھانیسری: حیات سیّد احمد شہید، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۳، ۱۵۴ ۳۔ ایضاً، ص ۳۱۱ ۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً، ص ۱۷۱

یہ "تحریکِ شرک" اور "تقلیدی بدعت" وہی ہے جس کے خلاف ابن عبدالوہاب نے تلوار اٹھائی اور ہزار ہا ہزار مسلمانوں کا خون بہایا۔

مولوی سید احمد نے اپنے متبعین کو نفسیاتی طور پر خوابات اور بشارات کے ذریعہ متاثر فرمایا ——— اپنی مہم پر روانگی سے قبل اپنی ہمشیرہ سے جو کچھ فرمایا وہ قابل توجہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

"اے میری بہن! میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا اور یہ بات یاد رکھنا کہ جب تک ہند کا شرک، اور ایران کا رفض، اور چین کا کفر اور افغانستان کا نفاق میرے ہاتھ سے محو ہو کر ہر مردہ سنت زندہ نہ ہو جائے گی رب العزت مجھ کو نہیں اٹھائے گا۔ اگر قبل ظہور ان واقعات کے کوئی شخص میری موت کی خبر تم کو دے اور تصدیق پر حلف بھی کرے کہ سید احمد میرے روبرو مر گیا یا مارا گیا تو تم اس کے قول پر ہرگز اعتبار نہ کرنا کیوں کہ میرے رب نے مجھ سے وعدۂ واثق کیا ہے کہ ان چیزوں کو میرے ہاتھ پر پورا کر کے مارے گا۔"[1]

جن امور کا سید صاحب نے ذکر فرمایا ہے ان میں سے کوئی پورا نہ ہوا اور سید صاحب تشریف لے گئے۔ اگر ان باتوں کو سچ مانا جائے تو قاری کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو سکتا ہے کہ معاذ اللہ حق جل مجدہٗ نے سچا وعدہ نہ فرمایا۔ یہ خیال الحاد کی طرف لے جا سکتا ہے، لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ سید صاحب نے جو اشارہ پایا وہ من جانب اللہ نہ تھا ——— بعض حضرات نے سید صاحب کی شکست کی یہ تاویل فرمائی کہ (معاذ اللہ) "شکست سنت انبیا ہے"، اگر یہ شکست نہ ہوتی تو سنت انبیا کیسے پوری ہوتی؟ ——— یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ مولانا ابو الحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "سیرت سید احمد شہیدؒ" میں ایک جگہ

---

[1] ایضاً، ص ۱۷۲

بالواسطہ طور پر ایسے گستاخانہ قول کو نقل فرمایا ہے :

مندرجہ بالا حقائق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کی تحریک ایک نظریاتی تحریک تھی ـــــ جن عقائد و افکار کی سید صاحب اور مولوی اسمٰعیل نے تبلیغ کی ان کا خاصہ ہے کہ وہ جبر کے سہارے میں پھلتے پھولتے اور پھیلتے ہیں جس ماحول میں جبر نہ ہو آزادی فکر ہو وہاں سمٹ جاتے ہیں۔ ایسے ماحول میں ان نظریات کے حاملین کی یہ کوشش رہتی ہے کہ تحریر و تقریر کے ذریعہ سیدھے سادھے اور پڑھے لکھے مسلمانوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کر کے ان کے دلوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگانِ دین کی محبت سرد کردیں، ان کو ان حضرات عالیہ کی جناب میں بے باک بنادیں اور یہ خیال نہیں فرماتے کہ ان نفوسِ قدسیہ سے محبت و اخلاص کا تعلق ایمان میں حرارت پیدا کرتا ہے۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اسی قسم کے افکار و عقائد کی اشاعت کے لئے پہلے تقویۃ الایمان تحریر فرمائی اور پھر تلوار اٹھائی ـــــ تقویۃ الایمان کے بارے میں محمد جعفر تھانیسری کے یہ تاثرات قابل توجہ ہیں :

"اس کی عبارت بڑی پر زور مثل ننگی تلوار کے ہے جس کی نورانی شعاعوں سے مشرکوں اور گور پرستوں کے دل کباب ہوتے ہیں"۔

یہاں تھانیسری نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں اور بزرگان دین کے چاہنے والوں کو "مشرکوں اور گور پرستوں" سے تعبیر کیا ہے کیونکہ انھیں کے دل "تقویۃ الایمان" کی ان بے باکانہ عبارات سے مضطرب ہوتے ہیں، جن کے نمونے نور و نار میں پیش کئے گئے ہیں۔

ہمارے بعض مورخین نے تاریخ پر فرقہ واریت کا رنگ چڑھایا اور تاریخ کو کچھ کا کچھ بنادیا۔ مورخین و محققین نے مولوی سید احمد بریلوی کے سلسلے میں ایسی متضاد باتیں لکھدی ہیں جن کو پڑھ کر حیرت اور وحشت بڑھتی جاتی ہے کلیات و جامعات کے نصاب ابی کے مطابق مدون ہوئے ہیں، بہت سی غلط باتیں لکھدی گئیں

جو برابر پڑھائی جارہی ہیں — مؤرخین و محققین میں سب سے پہلے اس تلخ حقیقت کو مشہور مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے محسوس کیا اور ایک اجلاس میں برملا اعتراف کیا "اب تک جو تاریخ لکھی گئی ہے وہ سب یکطرفہ ہے" ان کی مراد پاک و ہند کی اس تاریخ سے تھی جو مولوی سید احمد اور مولوی اسمٰعیل اور بعض دیگر علماء کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کے عقائد و افکار کو صحیح مان لیا جائے تو پاکستان و ہندوستان بلکہ عالم اسلام کے مسلمانوں کی اکثریت کا فرد مشرک قرار پاتی ہے اور ان کے نزدیک واجب القتل۔ اس لئے ان عقائد و افکار کو تسلیم کرنا کسی بھی دانا و بینا مسلمان کیلئے ممکن نہیں۔ عہد جدید کے عالم و عارف مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

"چاروں برحق اماموں کا زمانہ قرون ثلاثہ رہا ہے، جس کی خیریت اور خوبی کی خبر سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت عطا کی۔ بارہ سو سال سے تمام دنیا کے مسلمان ان کی پیروی کر رہے ہیں۔ اس عرصے میں ہزارہا علماء اسلام ان حضرات کے بیان کردہ ہر ہر مسئلے کو بار بار پرکھ چکے ہیں اور اس پر مہر تصدیق لگا چکے ہیں۔ ان حضرات کو چھوڑنا اور آٹھویں یا بارھویں صدی کے کسی فرد کو اپنا مقتدا بنانا کہاں کی دانشمندی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ سوادِ اعظم کا ساتھ دو، بلکہ آپ نے یہ ارشاد کیا ہے۔"

"میری امت گمراہی پر اتفاق نہیں کرے گی" [ل]

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ، پرنسپل
گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ (سندھ۔ پاکستان)

۱۴ رشوال المکرم ۱۴۰۴ھ
۱۳ رجولائی ۱۹۸۴ء

ل زید ابوالحسن فاروقی: مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان، مطبوعہ دہلی ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء ص ۹۶، ۹۷



اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ